ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

TANZEEM-E-ISLAMI
Haq Square Behind Ashfaq Hospital
13/C, Gulshan - e - Iqbal
KARACHI - 75300

۱۸/ نومبر ۹۶ء

☆ "جہاد" کو لازمی طور پر جنگ قرار دینا درست نہیں ہے (جہاد فی سبیل اللہ)

☆ منافقت ہمارا قومی مزاج بن چکی ہے (تاثرات)

☆ مسلمان حکمران اخلاقی اقدار سے محروم ہیں (مکتوب امریکہ)

حدیث امروز

ایک بار پھر

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

انگریزی زبان کا مشہور زمانہ مقولہ ہے History repeats itself یعنی تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی سیاست نے ایک بار پھر اپنی تاریخ کو دہرایا ہے۔ ۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو صدر مملکت سردار فاروق احمد خان لغاری نے منتخب قومی اسمبلی توڑ دی اور بے نظیر بھٹو کی وفاقی حکومت کو برطرف کردیا۔ آٹھویں ترمیم کی بھینٹ چڑھنے والی یہ تیسری قومی حکومت تھی جبکہ اس سے پہلے بھی تین مرتبہ منتخب حکومتیں مارشل لاء کی نذر ہوئیں۔ ۵ نومبر کو حسب معمول برطرف ہونے والوں کے منہ لٹک گئے اور حزب اختلاف نے جشن منایا۔ مٹھائی بانٹی گئی' سڑکوں پر رقص ہوئے اور مخالفین کے گھروں کے سامنے ہلڑبازی نے انہیں زچ کیا۔ اپنوں پہ پھول برسے' غیروں کو گالیاں ملیں اور صدر مملکت کا شکریہ ادا ہوا۔ آج کل ہر کوئی صدر کے فیصلے کو اپنی تجاویز اور اپنے مشوروں کا آئینہ دار قرار دینے کی کوشش کررہا ہے' اور بعض صدر کی انقلابی سوچ کو اپنی تربیت کا ثمرہ تصور کرتے ہیں۔ اگلے روز ہمدرد مجلس شوریٰ کے اجلاس میں جسے اکابرین ہمدرد شوریٰ ملک کی بہترین شوریٰ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں صدر مملکت کے حالیہ اقدام پر گفتگو ہوئی۔ دو فاضل مقررین نے احتساب کب اور کیسے کے موضوع پر تقریر کی۔ اس دن کی کاروائی کو سمیٹتے ہوئے شوریٰ کے چیئرمین نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ صدر کا حالیہ فیصلہ ہمدرد شوریٰ کی گزشتہ دو سال کے دوران دی گئی تجاویز کی روشنی میں ہوا۔ تاہم انہوں نے آئندہ اجلاس میں اس موضوع پر تفصیلاً بحث کے بعد قرارداد مرتب کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس پر ہال میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کئی اکابر اراکین چمک اٹھے۔ ٹیلی ویژن کی STN چینل کے جدید سٹائل کے مالک اور کمپیوٹر نواز مقبول مدرس قرآن اور مقرر بولے کہ ہمدرد شوریٰ نے اگر آج صدر کے اقدام پر تحسین کے جذبات کا اظہار نہ کیا تو ان لوگوں کی بے حد حوصلہ شکنی ہوگی جن کے مشورے پر صدر مملکت نے حکومت برطرف کی جن میں (ان کے کہنے کے مطابق) وہ خود شامل تھے اور غالباً حکیم سعید صاحب بھی۔ انہوں نے کہا اگر قرارداد تحسین پاس نہ ہوئی تو لوگ کہیں گے "ہم جھوٹ کہتے تھے"۔ ایسے ہی جذبات کا اظہار تین چار دیگر ارکان نے بھی کیا۔ چنانچہ صدر صاحب کے اقدام کا باضابطہ خیر مقدم کرنا منظور ہوا۔

صدارتی فرمان ۴ اور ۵ نومبر کی درمیانی شب ڈیڑھ بجے جاری ہوا جبکہ قوم سے صدر کے خطاب کا وقت ۵ نومبر ساڑھے نو بجے رات طے ہوا جس کا اعلان ٹیلی ویژن پر متعدد بار کیا گیا۔ چنانچہ پوری قوم وقت مقررہ پر صدر کا خطاب سننے کے لئے منتظر تھی مگر خبرنامے کے بعد کوئی وجہ بتائے بغیر بے تکے انداز میں ملی نغمے اور سیربین نظارے نشر ہوتے رہے۔ یہ بدنظمی بوجوہ کافی قیاس آرائی کا باعث بنی۔ بہرحال ساڑھے دس بجے کے لگ بھگ اعلان ہوا کہ صدر صاحب گیارہ بجے شب خطاب فرمائیں گے۔ شدید حیرانگی اس وقت ہوئی جب گیارہ بجے بھی بے تکے پروگرام جاری رہے حتیٰ کہ سوا گیارہ کے بعد صدر مملکت قوم سے مخاطب ہوئے۔ مذکورہ خطاب میں نمایاں بات یہ تھی کہ آئندہ انتخابات ۳ فروری ۱۹۹۷ء کو ہر قیمت پر ہوں گے خواہ بعض دوسرے پہلوؤں کو موخر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ غالباً ان کا اشارہ احتساب کی طرف تھا۔ انتخابات ہر قیمت

(باقی صفحہ ۴ پر)

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اہل ایمان' توبہ کرو اللہ کی طرف' صاف دل کی توبہ' ہو سکتا ہے تمہارا رب دور کردے تم سے تمہاری برائیوں کو اور داخل کرے تمہیں ان باغات میں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔

(اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کے دامن عفو میں پناہ لینے میں ہی ہر اعتبار سے بہتری ہے کہ انسان کے لئے اللہ کے سوا کوئی ملجا ہے نہ ماویٰ' اور جو کوئی صاف دلی سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے کہ عرق انفعال کے موتی اس کی پیشانی پر دمکتے ہوں' دل میں آئندہ گناہوں کو ترک کرنے کا عزم مصمم ہو اور پھر فی الواقع وہ معصیت کو ترک کر کے نیکی اور تقویٰ کی راہ پر گامزن ہو بھی جائے تو پروردگار کی شان غفاری کا مظہر ہے کہ وہ اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' برائیوں کی جگہ اسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور روز محشر اسے اس جنت کا ابدی وارث بنایا جائے گا' جس میں ہر نوع کی نعمتوں کی بہتات اور فراوانی ہوگی۔)

جس دن کہ اللہ رسوا نہ کرے گا نبی ﷺ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ' ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے سامنے اور ان کے داہنی جانب'

(اس دن کہ جب انسان کا نامہ اعمال کھول دیا جائے گا اور ہر شخص کی اصلیت بے نقاب کردی جائے گی تو ذلت و رسوائی ہر شخص کا مقدر ہوگی' ہاں انبیاء کرام اور ان کے ساتھیوں کا وہاں اعزاز و اکرام کیا جائے گا کہ جن کے ایمان اور اعمال صالحہ کا نور ان کے سامنے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا' اور وہ اس روشنی کی مدد سے میدان آخرت کے انتہائی کٹھن مراحل سے بہ سہولت گزر جائیں گے)

وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب' ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرمادے اور ہماری بخشش فرمادے' بلاشبہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہےO

(ان کے لبوں پر یہ دعا ہوگی کہ پروردگار ہمارے اس نور میں ہماری کوتاہی کے سبب اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو تو اپنے فضل سے اس کمی کو پورا فرما کر ہمارے نور کی تکمیل فرمادے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے کہ تجھے تو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔)

(سورۃ التحریم' آیت نمبر۷)

جوامع الکلم

تمام بنی نوع آدم خطاکار ہیں' اور ان خطاکاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں

(ہر انسان سے چھوٹی یا بڑی خطا کا صدور ہوتا رہتا ہے کہ انسان تو ہے ہی خطا اور نسیان سے مرکب! ہاں ان خطا کے پتلوں میں بہترین وہ ہیں' جو قدم پھسلنے پر زمین پر پڑے نہیں رہتے بلکہ ہر بار قدم پھسلنے پر اک عزم تازہ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور سنبھل کر صحیح رخ پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ گناہ کا صدور ہو جانے پر گناہوں کی دلدل میں دھنستے ہی نہیں چلے جاتے بلکہ ندامت و پشیمانی کے جذبات کے ساتھ پروردگار کی جناب میں رجوع کرتے اور اپنی ہمت و قوت کو مجتمع کرکے خیر کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں)

(الحدیث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۴۲

۱۸/ نومبر ۹۶ء

23

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے

سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۸ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ خلیجی، اومان، مصر ۱۳/۱ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

آج کل ہر خاص و عام کی زبان پر ایک ہی موضوع ہے اور وہ ہے بے نظیر حکومت کی برطرفی اور نگران حکومت کی تشکیل کا۔ محترم جنرل (ر) محمد حسین انصاری صاحب نے "حدیث امروز" میں اس موضوع کا عمدگی سے احاطہ کیا ہے۔ ان سطور میں ہم ایک تازہ اخباری خبر کے حوالے سے اظہار تشویش کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یوں تو حکومت کی برطرفی سے متعلق متعدد اور متضاد افواہیں گرم ہیں تاہم ایک اخباری اطلاع کے مطابق وفاقی دارالحکومت کے اہم سرکاری حلقوں میں گردش کرنے والی اندرونی کہانی میں حکومت کی برطرفی کو صدر لغاری اور بے نظیر بھٹو کی ملی بھگت قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ کہانی سنسنی خیز ہونے کے ساتھ ساتھ، بظاہر احوال اس لئے وزن رکھتی ہے کہ مالیاتی اداروں کی طرف سے قرضے کی بندش اور منی بجٹ کے جواز کے مسئلے پر بے نظیر حکومت "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والی کیفیت سے دوچار ہو چکی تھی، اس کے علاوہ نادہندہ وزیروں اور جیالے ارکان کو بھی مظلوم بن کر "سیاسی پناہ" حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔

اس کہانی کو نگران حکومت کی موجودہ ہیئت ترکیبی سے بھی تقویت ملتی ہے جس پر محترم قاضی حسین احمد صاحب بھی تشویش کا اظہار کر چکے ہیں۔ نگران وزیراعظم کی سب سے اہم خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی کو رنج نہیں پہنچایا، اس لئے اپنے پرائے سبھی ان سے مطمئن رہتے ہیں۔ خالص سیاسی میدان میں یہ خوبی بلاشبہ نہایت قابل قدر قرار دی جا سکتی ہے لیکن جہاں اصل مسئلہ لوٹی ہوئی قومی دولت اگلوانے کا ہو وہاں ایسے شخص سے اچھی توقعات وابستہ کرنا محض حماقت ہی شمار ہو گا۔

احتساب کے ضمن میں مختلف سیاسی حلقوں کی جانب سے جو چوٹی کی سزا تجویز کی جا رہی ہے وہ انتخابات میں نااہل قرار دیئے جانے کی ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس سے ملک اور قوم کو کتنے نوافل کا ثواب ہو گا۔ ہاں کچھ کرپٹ عناصر کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکا ضرور جا سکے گا لیکن قوم کا سرمایہ ہضم کرنے والوں سے قومی دولت کی بازیابی کا مقصد محض اس اقدام کے ذریعے ہرگز حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔

بہرکیف "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق یہ موجودہ نگران حکومت کے سوچنے کی بات ہے کہ اس معاملے کو کس طور سے حل کرنا ہے اور نادہندگان سے قومی دولت کیسے وصول کرنی ہے، ہمارے نزدیک عوام کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ سب نورا کشتی ہے اور اگر بیرونی قرضوں سمیت تمام ملکی وسائل حکمران ٹولہ اور مراعات یافتہ طبقہ ہڑپ کر چکا ہے اور اب ملک بالکل کنگال ہو گیا ہے تو اس میں عوام کا کیا قصور ہے؟ مراعات یافتہ طبقے کے کرتوتوں کی سزا انہیں کیوں مل رہی ہے؟ اس کی سزا تو انہی کو بھگتنی چاہئے جنہوں نے یہاں ناجائز مراعات حاصل کی ہیں۔ وہ لوگ جو آج اس سے بدتر حال میں ہیں جس حال میں وہ قیام پاکستان سے پہلے تھے، ان کو کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟ تاہم عوام اگر ٹس سے مس نہ ہونے کا اٹل فیصلہ کئے بیٹھے ہوں تو اس کا بھی کوئی علاج نہیں!

اس ملک میں کوئی بات بھی باعث حیرت اور ناممکن نہیں، تاہم اگر مذکورہ بالا کہانی درست نہ بھی ہو تب بھی آئندہ حکومت کے آئندہ اقدامات کو دیکھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ اصل معاملہ کیا ہے!

اس مسئلے کا مستقل اور پائیدار حل تو صرف اور صرف نظام خلافت کے قیام میں مضمر ہے تاہم ہماری دانست میں موجودہ حالات میں احتساب کی آڑ میں انتخابات کو موخر کرنا اور کسی طالع آزما کا اسے اپنے اقتدار کو طول دینے کا ذریعہ بنانا ملک و ملت کے لئے شدید نقصان کا باعث ہو گا۔ جیسی بھی لولی لنگڑی جمہوریت اس ملک میں جاری ہے اسے جاری رکھنے میں ہی عافیت ہے۔ باقی یہ بات تو ہر آنے والے دن مزید موکد ہو رہی ہے کہ آمریت، مارشل لاء یا مروجہ جمہوریت، ان میں سے کوئی بھی ہمارے دکھوں کا حقیقی مداوا نہیں ہے۔ ہمیں بالآخر نظام خلافت کے دامن میں ہی پناہ لینا ہو گی۔ ع "کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو!"

"جہاد" کو لازمی طور پر جنگ قرار دینا درست نہیں!

جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح صرف غلبہ دین حق کیلئے کی جانے والی جدوجہد اور کشمکش کیلئے مخصوص ہے

جہاد فی سبیل اللہ کے مدارج اور لوازم کو اگر ملحوظ نہ رکھا گیا تو دنیا میں اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوگا

ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے؟

از روئے قرآن ایمان اور جہاد لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایمان حقیقی معنوں میں موجود ہوگا تو جہاد لازماً موجود ہوگا۔ ان دونوں کے مابین ایسا گہرا رشتہ و تعلق ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

جہاد کے بارے میں چند مغالطے

جہاد کے بارے میں مسلمانوں کے ذہنوں میں چند در چند قسم کے مغالطے ہیں لہٰذا میں سب سے پہلے انہی مغالطوں کا ذکر کرتا ہوں جن کی وجہ سے جہاد کے بارے میں ہمارا پورا تصور مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔

سب سے بڑا اور بنیادی مغالطہ یہ ہے کہ جہاد کے معنی جنگ سمجھ لئے گئے ہیں اور مسلمان جو بھی جنگ کریں وہ جہاد ہے خواہ شخصی اقتدار اور شہرت کے لئے ہو۔ جنگ یا قتال اگرچہ بلاشبہ جہاد کی آخری اور تکمیلی شکل ہے لیکن جہاد کے معنی لازماً جنگ نہیں ہیں بلکہ جہاد اور قتال کے مابین وہی رشتہ و تعلق ہے جو اسلام اور ایمان کے مابین یا نبوت اور رسالت کے مابین ہے۔ یعنی جس طرح اسلام عام ہے' ایمان خاص ہے اور نبوت عام ہے' رسالت خاص ہے اسی طرح جہاد عام ہے' قتال خاص ہے۔ جنگ کے لئے قرآن مجید کی جو اصل اصطلاح ہے وہ قتال ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

"جنگ کرو ان سے یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے"

(الانفال : ۳۹)

اسی طرح فرمایا:

"تم پر جنگ فرض کر دی گئی اور اب وہ تمہیں ناگوار اور گراں محسوس ہو رہی ہے۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو درآنحالیکہ اسی میں تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز سے تم محبت کرو درآں حالیکہ اس میں تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے"۔

(البقرہ : ۲۱۶)

قتال کے بارے میں چوٹی کی آیت سورۃ الصف کی آیت نمبر ۴ ہے۔

"اللہ تو محبت کرتا ہے اپنے ان بندوں سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

تو جنگ کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح ہے قتال۔ جہاد دین کی بہت وسیع اصطلاح ہے اور اس کا ایک جزو بلکہ ایک تکمیلی مرحلہ قتال ہے۔

جہاد فرض کفایہ یا فرض عین

جہاد اور قتال کو مترادف اور ہم معنی سمجھ کر لازم و ملزوم جان لینا' یہ وہ چیز ہے کہ جس نے پوری سوچ اور پورے نقطہ نظر کو بنیادی طور پر غلط کر کے رکھ دیا ہے۔ چونکہ ذہن میں جہاد کے معنی جنگ ہو گئے لہٰذا اب بنائے فاسد علی الفاسد کے طور پر جب استدلال کی بنیاد ایک غلط تصور پر اٹھے گی تو مزید غلطی ہوگی۔ چونکہ قتال ہر وقت فرض نہیں ہوتا' خود نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران بھی صرف جنگ تبوک ہی ایک ایسی جنگ تھی جس میں ہر مسلمان پر یہ فرض کر دیا گیا تھا کہ وہ اس کے لئے نکلے ورنہ اس سے پہلے کبھی بھی نفیر عام نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ہمارے ذہنوں میں جہاد کے بارے میں بھی یہ تصور قائم ہو گیا کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین وہ ہوتا ہے جو ہر حال میں ہر آن فرض ہے جیسے نماز فرض عین ہے لہٰذا اگر جنگ کی حالت میں بھی نماز کا وقت آ جائے تو ادا کرنی ہوگی۔

جنگ اور قتال کے تصور کو جہاد کے ساتھ منتہی کر لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے دینی تصورات میں جہاد اپنے اصل مقام و مرتبہ سے ہٹ کر صرف ایک فرض کفایہ کے درجے میں رہ گیا۔ حالانکہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جہاد ایمان کا رکن ہے۔ اس کو اب آپ اس حوالے سے سمجھئے کہ ایمان کے دو درجے ہیں۔ ایک قانونی ایمان جس کی بنیاد پر ہم دنیا میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اسی کے لئے اصطلاح ہے اسلام۔ اسلام میں ایمان کا "اقرار باللسان" والا جزو شامل ہے۔ یعنی اشہد الا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ کی گواہی اسلام کا پہلا رکن ہے۔ اس کے ساتھ چار ارکان اور شامل کر لیجئے۔ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ' تو یہ پانچ ارکان ہو گئے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اب ایمان کے دوسرے جزو "تصدیق بالقلب" کو لیجئے جس کا تعلق حقیقی ایمان سے ہے۔ اس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کو شامل کیجئے تو یہ ایمان کے دو رکن ہیں۔ "یہ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبیؐ ان سے فرما دیجئے کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں (یعنی ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے' ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے' ہم نے مزاحمت اور مقابلہ چھوڑ دیا ہے) اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ (الحجرۃ : ۱۴' ۱۵)

اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ اب اگر جاننا چاہتے ہو کہ ایمان اصل میں کیا ہے اور حقیقی ایمان کی کسوٹی اور معیار کیا ہے تو جان لو کہ "مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور ان کے رسول پر' پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے"۔ ثم لم یرتابوا نے بات واضح کر دی کہ یہاں تصدیق بالقلب والے ایمان کا ذکر ہے اور تصدیق بالقلب بھی ایسی کہ جو یقین کی کیفیت اختیار کر چکی ہو' جس میں شکوک و شبہات کے کانٹے چبھے نہ رہ گئے ہوں۔ "اور انہوں نے جہاد

کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں"۔ تو یہ ہوئے ایمان حقیقی کے دو ارکان ..... رکن اول دل میں یقین اور رکن ثانی عمل میں جہاد فی سبیل اللہ۔

اس بات کو سمجھ لینے سے وہ اصل مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ آیا جہاد فرض کفایہ ہے یا فرض عین۔ قانونی سطح پر یہ ماننا پڑے گا کہ جہاد فی سبیل اللہ ارکان اسلام میں سے نہیں ہے۔ تو جو کوئی محض قانونی سطح پر دنیا میں مسلمان کہلوائے جانے پر قانع ہو اور اسے آخرت کی کوئی پروا نہ ہو تو اس کے لئے تو معاملہ بڑا آسان ہے۔ اسے جہاد کا کھکھیڑ مول لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جسے یہ تشویش ہو کہ میں اگر مسلمان بنا ہوں تو صرف اس دنیا میں مسلمان کہلوانے کے لئے نہیں بنا بلکہ مجھے تو اصل میں آخرت درکار ہے' میرا مطلوب و مقصود تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جہنم سے چھٹکارا پانا ہے تو وہ جان لے کہ پھر جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی مفر نہیں ہے۔ اس سے بچاؤ کی کوئی امکانی صورت اور اس سے کوئی استثناء (Exemption) سرے سے ہے ہی نہیں! اس لئے کہ اس آیت کے اول و آخر میں حصر کا اسلوب ہے۔ شروع میں انما کلمہ حصر ہے۔ انما المومنون.... مومن تو صرف وہ ہیں' مومن تو بس وہی ہیں۔ یعنی حقیقی مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر' پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ آخر میں پھر حصر ہے۔ بس یہی لوگ ہیں سچے۔ یعنی اپنے دعوائے ایمان میں تو بس وہی لوگ سچے ہیں جو ان دونوں شرطوں کو پورا کریں۔ دل میں یقین اور عمل میں جہاد۔

جہاد کا مفہوم

لفظ جہد ہماری زبان میں بالکل صحیح مفہوم میں مستعمل ہے۔ عربی زبان کے بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو اردو میں آ کر اپنے اصل مفہوم کے بجائے دوسرے معنی میں استعمال ہونے لگے ہیں۔ لیکن لفظ "جہد" اردو میں بھی بالکل اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ جو مفہوم اس کا عربی میں ہے۔ یعنی کوشش' کسی کام کے لئے محنت کرنا۔ جب دو جہدیں ایک دوسرے کے سامنے آ کر باہم ٹکرا رہی ہوں اور دونوں ایک دوسرے کو زیر کرنے کے درپے ہوں تو یہ مجاہدہ ہے۔ اسی کو فعال کے وزن پر جہاد کہا جاتا ہے' جہاد کے لئے اگر آپ فارسی میں مترادف لفظ تلاش کریں تو وہ ہوگا کشمکش' بلکہ کشاکش۔ جہد جو یکطرفہ عمل ہے' اس کے لئے بھی ہم نے جو لفظ "کوشش" تلاش کیا تھا وہ بھی اصل میں فارسی کا لفظ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ دو طرفہ جدوجہد میں دو فریقوں کا ایک دوسرے کے مقابلے میں کوشش کرنا اور اس میں ہر ایک دوسرے کے زیر کرنے کی فکر ہونا "کشمکش" کہلاتا ہے۔ (ویسے اس کے لئے صحیح لفظ "کشاکش" ہے۔ لیکن اردو میں "کشمکش" زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔) تو جو فرق کوشش اور کشمکش میں ہے وہی جہد اور مجاہدہ میں ہے۔ انگریزی میں اس کا مترادف (Equivalent) ہوگا To struggle یعنی مقابلے میں موجود مزاحمت (Resistence) سے نبرد آزما ہو کر اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کرنا۔ اور یہی کشمکش اور مجاہدہ ہے۔

دوسری بات اب یہ سمجھئے کہ دنیا میں ہر شخص "مجاہد" ہے۔ جہاد کے مختلف درجات (Levels) ہیں لیکن کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو مجاہدہ نہ کر رہا ہو۔ آپ کاروبار میں اپنے کسی قریب کے دوکاندار سے مسابقہ (competition) کر رہے ہیں۔ گاہک کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے وہ بھی ہر ممکن زور لگا رہا ہے اور آپ بھی لگا رہے ہیں تو یہ مجاہدہ ہی تو ہے۔

یہی مجاہدہ اور جہاد ہر شخص کر رہا ہے۔ ہر کوئی اس بھاگ دوڑ اور کشمکش میں ہے کہ وسائل حیات کے حصول میں وہ دوسرے سے بازی لے جائے۔ اسی کے لئے محنت' کوشش اور جدوجہد ہو رہی ہے۔ راتوں کا جاگنا اور دن بھر کی مشقت اسی کی خاطر ہے۔ یہ مجاہدہ ہم میں سے ہر شخص کر رہا ہے لیکن یہ مجاہدہ فی سبیل الاقتصادیہ ہے۔

جو لوگ اس سطح سے ذرا اوپر اٹھ جاتے ہیں اور جن کا کوئی نظریہ' کوئی آئیڈیل' کوئی فلسفہ اور اپنا کوئی خاص نقطہ نظر بھی ہو تو انہیں پھر اس کے لئے جہاد کرنا پڑتا ہے۔ ایک شخص جو وطنیت کا قائل اور وطن کی عظمت کا پجاری ہے وہ وطن کی عزت و عظمت اور سربلندی کے لئے جدوجہد کرے گا۔ اپنے وطن کی سالمیت کے خلاف کوئی دوسرا وطن خطرناک عزائم رکھتا ہو تو اس سے اپنے ملک کے تحفظ اور بقاء کی خاطر جدوجہد اور کشمکش مجاہدہ فی سبیل الوطن ہوگا۔ ایک شخص قومیت کا پرستار ہے' نیشنلسٹ ہے تو وہ مجاہد فی سبیل القومیہ ہے۔ ایک شخص جو اشتراکیت کا قائل ہے اور اس کی نظر میں یہی اصل نظام ہے' عدل قائم ہو سکتا ہے تو اسی سے ہو سکتا ہے۔ اب اگر وہ مخلص ہے تو جان لڑائے گا' محنت کرے گا' اور مارکسزم کو قائم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا۔ یہ مجاہد فی سبیل الاشتراکیہ ہے۔

اسی طرح ایک شخص ہے جو شرک کا علمبردار ہے' جیسے کہ مکہ کے لوگ تھے۔ ان کا ایک طور طریقہ تھا' ان کی روایات اور رسومات تھیں۔ ان کے اپنے عقائد اور اپنا ایک نظام تھا۔ ان کے اعتبار سے تو حضور ﷺ باغی تھے جو انکی آبائی روایات کو توڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو مشرکین آبائی روایات کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی مجاہد تھے۔ یعنی مجاہد فی سبیل الشرک یا مجاہد فی سبیل الطاغوت۔ چنانچہ یہ لفظ جہاد قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر مشرک والدین کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

> "اگر تیرے والدین تجھ سے جہاد کریں اس پر کہ تو شریک ٹھہرا میرے ساتھ کسی ایسی ہستی کو جس کے لئے تیرے پاس کوئی دلیل نہیں (نہ کوئی عقلی بنیاد ہے اور نہ کسی آسمانی کتاب میں اس کی سند ہے) تو ان دونوں کا کہنا مت مان۔"

اسی طرح ابوجہل بھی مجاہد تھا' بلکہ وہ تو مقاتل تھا۔ اس نے اپنی ان روایات کے تحفظ کے لئے جنگ لڑی اور اپنی گردن کٹوادی۔ معلوم ہوا کہ جہاد ایک Universal phenomenon ہے۔ جہاں یقین ہو گا جہاد ہو گا' یقین نہیں ہوگا تو جہاد نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص مارکسٹ ہونے کا دعویدار ہے لیکن وہ اس کے لئے جہاد نہیں کر رہا' کمیونزم کے لئے قربانیاں نہیں دے رہا' محنت اور بھاگ دوڑ نہیں کر رہا بلکہ کسی سرمایہ دار ملک کے کسی پر تعیش شہر میں آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہے' وہاں مراعات حاصل کر رہا ہے' سرمایہ داروں کے ساتھ اس کے مراسم ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ اس کی موافقت ہے تو آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ جھوٹا اور فریبی ہے۔ کیونکہ صداقت ہوگی تو جہاد لازماً ہوگا۔ اب ذرا اپنے متعلق آیت قرآنی کی طرف دوبارہ توجہ مرتکز کیجئے۔

> "مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر' پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے۔ اور انہوں نے جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ بس سچے تو یہی لوگ ہیں"۔

جو شخص غیر اسلامی ماحول میں سانس لے رہا ہو اور اسے بدلنے کی جدوجہد نہ کرے' اس کی زندگی جہاد سے خالی ہو' اس میں وہ کشمکش' وہ بھاگ دوڑ' وہ محنت و مشقت اور وہ ایثار و قربانی نظر نہ آئے جو

انقلاب اسلامی کے لئے لازمی و لابدی ہے تو ذرا اس پر بھی وہی فتویٰ لگایئے کہ جھوٹ موٹ کے مسلمان بنے پھرتے ہیں' صرف ذہنی تعیش کے طور پر اسلام کا نام لیتے ہیں' یہ حقیقی مومن نہیں ہیں۔ سچا مومن تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو اپنی جان اور مال اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے' اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لئے' اللہ کے جھنڈے کو اونچا کرنے کے لئے اور اللہ کے احکام کی تنفیذ کے لئے کھپا رہا ہو۔ "جہاد فی سبیل....." کی اصطلاح ہم نے مختلف مثالوں کے ذریعے سمجھی ہے کہ جہاد کسی نہ کسی نصب العین (Cause) کے لئے ہوتا ہے۔ اور اللہ کے لئے جو جہاد ہو گا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو گا۔

جہاد میں مال و جان کی قربانی لازمی ہے

جہاد فی سبیل اللہ کے مختلف مراحل اور مراتب ہیں' جو بعد میں بیان ہوں گے۔ اب یہاں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ اس جہاد' جدو کوشش' اس کشمکش میں انسان کے پاس دو ہی تو چیزیں ہیں جو وہ لگا سکتا ہے۔ ایک اپنا مال اور دوسری اپنی جان۔ کسی بھی نظریئے کو پھیلانا ہو' کسی خیال کی اشاعت مطلوب ہو' کسی پیغام کو دنیا میں عام کرنا ہو تو اس کے لئے اولین چیز تو پیسہ ہے جو صرف ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جسم اور جان کی صلاحیتیں' قوتیں اور توانائیاں لگتی ہیں۔ اس کے علاوہ اوقات بھی لگتے ہیں لیکن میں وقت کو تیسری چیز کے طور پر نہیں گن رہا' کیونکہ وقت درحقیقت پیسہ ہی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اس کی کہیں علیحدہ وضاحت نہیں ملے گی۔ اس کو کہیں الگ شمار نہیں کیا گیا۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے اور آج کے دور میں آکر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے۔ وقت ہی تو پیسہ ہے۔ (Time is Money) وقت کو جب آپ اپنی جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ضرب دیتے ہیں تو پیسہ بناتے ہیں۔ چنانچہ وقت اب سرمایہ (Capital) ہی کی ایک صورت ہے۔ آپ نے وقت صرف کر کے پیسہ بنایا ہے۔ اگر پیسہ دے دیا تو گویا کہ وقت صرف کیا۔ اور اگر پیسہ موجود ہے تو کسی مقصد کے لئے کسی کی خدمات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ تو یہ دونوں باہم مبادلہ پذیر اجناس (Interconvertible, Commodittes) ہیں۔ لہٰذا مال میں وقت کو بھی شامل سمجھ لیجئے۔

کسی جدوجہد میں مال کے علاوہ جو چیز درکار ہوتی ہے وہ جسم و جان کی صلاحیتیں' توانائیاں اور قوتیں ہیں۔ قرآن ان سب کو ایک لفظ "نفس" میں جمع کر لیتا ہے۔ چنانچہ جاھدوا فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم کا مفہوم ہو گا کہ جہاد کرو اللہ کی راہ میں اور اس میں کھپاؤ اپنے مال بھی اور اپنی جانیں بھی' اپنے اوقات' اپنی توانائیاں اپنی صلاحیتیں' اپنی قوتیں' اپنی ذہنی و عملی استعدادات اس راہ میں لگا دو یہاں تک کہ جب وقت آجائے تو نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں آجاؤ۔

اب آیئے اس بحث کی طرف کہ جہاد کے مراحل اور مراتب کیا ہیں؟ اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ اس کی پہلی منزل کون سی ہے؟ دوسری منزل کیا ہے؟ کوئی تیسری منزل بھی ہے تو کون سی ہے؟ اور اس کی چوٹی کیا ہے؟ اگر یہ سارا تصور واضح نہ ہو تو انسان غلط جگہ پر اور غلط طریقے پر اپنی محنت صرف کرے گا اور وہ محنت اکارت جائے گی۔ آپ اس راستے میں جان اور مال تو کھپا رہے ہیں لیکن اس جدوجہد کی ترتیب آپ کے ذہن میں نہیں ہے' اس کے مراحل میں جو تقدیم اور تاخیر ملحوظ رکھنی ضروری ہے اس کا فہم نہیں ہے' چھلانگ مار کر چوتھی منزل پر چڑھنے کی کوشش ہو رہی ہے' قدم بقدم آگے چلنے کا شعور نہیں ہے تو محنتیں اکارت جائیں گی' کوششیں بار آور نہیں ہوں گی۔ البتہ ایک فرق ذہن میں رکھئے کہ یہ وہ میدان ہے کہ اس میں اگر کوئی شخص کسی مغالطے یا غلط فہمی کی بنا پر غلط طریقے پر کام کر رہا ہے' لیکن وہ اپنی جدوجہد میں مخلص ہے اور خالصتہ اللہ اور اس کے دین کے لئے کام کر رہا ہے تو اگرچہ دنیا میں اس کی محنت و کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گی اور رائیگاں اور اکارت جائے گی لیکن آخرت میں اس کا اجر اس کے رب کے پاس محفوظ ہے۔

مجاہدہ مع النفس

جہاد کے مراتب کو سمجھنے کے لئے ایک تین منزلہ عمارت کی تشبیہ ذہن میں رکھئے' جس کی بنیاد زیر زمین ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ نگاہوں کے سامنے تو تین منزلیں ہیں۔ پہلی' دوسری اور تیسری۔ لیکن آپ کو معلوم ہے عمارت کے استحکام کا سارا دار و مدار اس بنیاد پر ہے جس پر یہ کھڑی ہے۔ تو جہاد کے مراتب میں پہلی چیز جس کو بنیاد (foundation) کی حیثیت حاصل ہے وہ مجاہدہ مع النفس ہے۔ لیکن آج کے دور میں یہی سب سے زیادہ نظرانداز ہونے والی چیز ہے۔ اپنے نفس سے کشمکش کر کے اسے اللہ کا مطیع بنانا جہاد کی بنیاد ہے۔ جس طرح عمارت کی بنیاد زمین کے اندر ہوتی ہے اور نظر نہیں آتی اسی طرح جہاد کا یہ مرحلہ' جسے میں بنیاد سے تعبیر کر رہا ہوں' نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ یہ باطنی جنگ مجاہدہ مع النفس ہے۔

جب کوئی خواہش ابھرتی ہے تو یہ اپنی تسکین چاہتی ہے۔ اسے اس سے غرض نہیں ہے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے' صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے' جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے! اللہ نے کون سا راستہ اس کی تسکین کا حلال قرار دیا ہے اور کون سے راستے حرام قرار دیا ہے! تو یہاں ایک کشمکش کی ضرورت ہو گی۔ یہ مجاہدہ اور یہ کشمکش جہاد کی اصل بنیاد ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا۔ ای الجھاد افضل یا رسول اللہ؟ "اے اللہ کے رسولؐ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟" دیکھئے اصل جو افضلیت ہے وہ بنیاد کی ہے اگرچہ وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے جواب دیا۔ ان تجاھد نفسک فی طاعہ اللہ "سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کے ساتھ کشمکش کرو اور اسے اللہ کی اطاعت اور بندگی کا خوگر بناؤ" یہ ہے اصل جہاد' یہ ہے اس عمارت کی بنیاد۔ اگر یہی نہیں ہے اور جہاد کی دوسری منزلیں تعمیر کرنی شروع کر دی گئیں تو وہ تعمیر بودی رہے گی اور کسی طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ کوئی معمولی سا ریلا بھی آئے گا تو اسے بہا کر لے جائے گا۔ اور جان لیجئے کہ اس دور میں ہمارے ہاں اس سلسلے میں جو محنتیں ہوئیں اور عوامی سطح پر ہم نے بڑے بڑے مورچے لگا کر جو تحریکیں چلائیں ان کی ناکامی کا اصل سبب یہی ہے کہ جہاد کی اس بنیاد کی طرف وہ توجہ نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے۔

نظریاتی اور فکری تصادم

اندر کی کشمکش کے بعد خارج میں کشمکش کا آغاز ہوتا ہے اور مجاہدہ مع النفس کی بنیاد پر جو پہلی منزل تعمیر ہوتی ہے اس کے لئے میں عنوان تجویز کر رہا ہوں "نظریاتی اور فکری تصادم۔" اس لئے کہ جب ہم مذہبی اصطلاحات لیتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں خواہی نخواہی وہی محدود تصورات آجاتے ہیں جو ہم نے ان اصطلاحات کے ساتھ وابستہ کر لئے ہیں۔ اس تصادم میں فکر فکر سے' نظریہ نظریہ سے اور خیال خیال سے ٹکرائے گا۔ آپ اللہ کے ماننے والے ہیں' وحی' نبوت' رسالت اور آخرت کے ماننے والے ہیں تو آپ کو اپنا یہ نظریہ و خیال اور عقیدہ و ایمان پھیلانا ہو گا' ورنہ بات کیسے آگے چلے گی؟ اور ظاہر بات ہے کہ آپ اپنے نظریات خلا میں پیش نہیں کر رہے۔ اس سے پہلے کچھ نظریات موجود ہیں۔ شرک ہے یا وطن پرستی ہے یا الحاد ہے یا مادہ پرستی ہے یا مارکسزم ہے یا نیشنلزم ہے۔ آپ کو کفر و شرک' الحاد و مادہ

پرستی' وطن پرستی اور مارکسزم وغیرہ کے مقابلے میں نظریہ توحید پیش کرنا ہے۔ آپ اکیلے تو نہیں ہیں کہ آپ نے جو خیال پیش کیا وہ آسانی سے پھیلتا چلا گیا' بلکہ دلیل دلیل سے ٹکرائے گی اور آپ کو دنیا کے سامنے باطل نظریات کو باطل اور اپنے نظریئے کو حق ثابت کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کرنا ہوگا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اس منزل کے لئے دینی عنوان ہوگا "دعوت و تبلیغ.....

"اے نبیؐ پہنچایئے جو کچھ کہ نازل کیا گیا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے"۔

"اے نبیؐ دعوت دیجئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ' موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان کے ساتھ جدال کیجئے بہترین طریقے پر"

دیکھئے یہ جدال بھی باب مفاعلہ سے ہے۔ جدل کے معنی جھگڑا اور دو فریقوں کے مابین ہو تو یہ مجادلہ اور جدال ہو گا۔ اس آیت مبارکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ عقائد کی سطح پر آپؐ مخالفین سے بہترین طریقے پر جدال کیجئے۔ وہ آپ کی مخالفت میں بہت گھٹیا اور اوچھے وار کریں گے لیکن آپؐ پوری متانت و سنجیدگی اور پوری شرافت و مروت کے ساتھ ان سے مجادلہ کیجئے اور اسلام کی حقانیت کا لوہا منوایئے' تو یہ دعوت و تبلیغ در حقیقت نظریاتی تصادم ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ یہ کام گھر بیٹھے تو نہیں ہوگا۔ آپ اپنے دھندے میں لگے رہے' اپنے پروفیشن ہی کو چمکانے کی فکر میں رہے تو یہ کام کیسے ہوگا؟ لہٰذا اس میں جان اور مال صرف ہوگا۔

جہاد کے اس مرحلے پر سب سے بڑا ہتھیار قرآن مجید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد کی نظریاتی اساس بھی قرآن مجید تھا اور نظریاتی تصادم کے مرحلے پر آپؐ کا سب سے بڑا ہتھیار بھی یہی قرآن ہی تھا۔ چنانچہ آپؐ کو اسی کی تبلیغ کا حکم ہوا "پہنچاؤ وہ جو نازل کیا گیا آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے"۔ اسی کے ذریعے آپؐ نے انذار فرمایا۔ "اور یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کروں اس کے ذریعے سے تمہیں اور جسے بھی یہ پہنچ جائے"۔ اسی سے تبشیر فرمائی۔ اسی کو ذریعہ تذکیر بنایا۔ "پس آپؐ اس قرآن کے ذریعے سے اسے یاد دہانی کراتے رہیں جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے"۔

اب اگر آپ اپنے ماحول میں چاروں طرف دیکھیں تو کچھ چیزیں خود بخود عیاں ہو جائیں گی۔ کوئی دعوت اس قرآن کو بائی پاس کر کے ہو رہی ہو تو وہ اس نہج پر نہیں ہو رہی ہے' جس پر محمد رسول اللہ (صلی علیہ وسلم) کر رہے تھے۔ وقت کھپ رہا ہے' صلاحیتیں صرف ہو رہی ہیں' محنتیں لگ رہی ہیں لیکن اس نہج پر اور اس ترتیب کے ساتھ نہیں لگ رہی ہیں تو نتیجہ نہیں نکلے گا۔ البتہ اگر نیت صحیح ہے تو اجر ملے گا' الا یہ کہ اس میں کوئی ریاکاری یا دنیاداری ہو تو بات دوسری ہے ورنہ اگر خلوص ہے تو اجر ضائع نہیں ہوگا لیکن محنت نتیجہ خیز نہیں ہوگی۔

نظریاتی و فکری تصادم کے بعد عملی تصادم کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر عمل کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ قوتیں باہم متصادم ہوتی ہیں' اس لئے کہ دین کی صرف تبلیغ ہی نہیں کرنی ہے بلکہ اسے عملاً قائم کرنا ہے۔ اسلام کا معاملہ دنیا کے کسی بھی مذہب یا کسی بھی دیگر نظام سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ صرف عقیدے کی تبلیغ اور کسی نظام کو بدلنے کی تبلیغ میں فرق یہ ہے کہ مقدم الذکر تبلیغ ایسی بیل کے مانند ہے جو زمین پر نیچے نیچے پھیلتی چلی جاتی ہے' اور موخر الذکر تبلیغ کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو اوپر اٹھتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس میں ایمان کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کو قائم کرنا بھی ہے۔ یہ قائم کرنے کا جو مرحلہ ہے اس کو میں "اقامت دین" سے تعبیر کر رہا ہوں۔ ہمیں دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ.... اور جب دین کو قائم کرنے کے لئے کوشش ہوگی تو اس میں عملی تصادم کا مرحلہ آ کر رہے گا۔ اس لئے کہ جو نظام پہلے سے موجود ہے اس کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں۔ جب آپ اس کو اکھاڑنا چاہیں گے تو وہ اپنی چودھراہٹوں کے لئے آپ سے مقابلہ کریں گے' آپ سے انتقام لیں گے۔ "اقامت دین" کے اس مرحلے پر عزیمتیں ٹکرائیں گی۔ اب صرف نظریات کا تصادم نہیں بلکہ قوتوں کا تصادم ہوگا۔

کوئی بھی انقلابی جماعت جب کسی انقلابی نظریئے کو لے کر اٹھتی ہے تو پہلا دور یہ ہوتا ہے کہ جب ماحول انتقامی کارروائی کرے تو اسے جھیلیں اور برداشت کریں۔ شدید ترین تشدد کے باوجود صبر و استقامت سے کام لیں اور مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھائیں۔ مسلمانوں کو ابتدا میں یہی حکم تھا کفوا ایدیکم..... "اپنے ہاتھ باندھے رکھو" یہ صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرما دے تو ہاتھ کھول دیئے جاتے ہیں اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر یہ حکم نازل ہوا۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا' وان اللہ علی نصرھم لقدیرO اب صبر محض کا دور ختم ہوا اور اقدام (Active Resistance) کا مرحلہ شروع ہوا۔ اس مرحلے پر جہاد' مجاہدہ مع النفس' دعوت و تبلیغ اور نظریاتی تصادم کی سطح سے ابھر کر بالفعل قوتوں کے ٹکراؤ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس مرحلے پر سب سے بڑا ہتھیار ہوگا ایک منظم جماعت!

ویسے تو ہر سطح پر ہم مقصد لوگوں کی موجودگی مفید ثابت ہوتی ہے۔ پہلی سطح پر بھی ہم خیال لوگوں کا ایک حلقہ ہو تو مجاہدہ مع النفس آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے پر دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی اگر کچھ لوگ جمع ہو کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں تو زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ لیکن تیسرے مرحلے پر جماعتی قوت ناگزیر ہے اور یہی اس مرحلے کا اصل ہتھیار ہے۔ اور جان لیجئے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال ہے کہ آپؐ نے فدائین کی ایسی منظم جماعت قائم کی' جس کی نظیر بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ جس زمانے میں اس مقدس جماعت پر شدید ترین تشدد ہو رہا تھا اور انہیں مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی' اس دور کا ایک واقعہ پڑھنے میں آتا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تھپڑ مارا تو انہوں نے بھی جواباً تھپڑ رسید کر دیا۔ حضورؐ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ڈسپلن کی خلاف ورزی پر انہیں کچھ عرصہ کے لئے مکہ سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ عالم تھا آنحضورؐ کی قائم کردہ جماعت میں نظم و ضبط کا! انقلاب برپا کرنے کے لئے واقعتاً ایک منظم اور مربوط جماعت کی ضرورت ہوتی ہے' جو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اس کے مقصد سے گہری وابستگی اور وفاداری کے حامل ہوں۔ جن کی کیفیت یہ ہو کہ ع "ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" صرف مشغلے کے طور پر کسی جماعت میں شامل ہونے والے کبھی کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔ محض ہجوم (Mob) سے انقلاب نہیں آیا کرتا۔

آنحضور ﷺ نے التزام جماعت کا حکم دیا ہے۔ "علیکم بالجماعہ لا اسلام الا بالجماعہ" .... اور جماعت بھی "سمع و طاعت" والی..... یعنی اس کی بنیاد "بیعت" پر ہونی چاہئے۔ آپؐ تو اللہ کے نبیؐ اور رسولؐ تھے اور آپؐ کو لوگوں سے بیعت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے باوجود حضورؐ مختلف مراحل پر صحابہ کرامؓ سے

بیعت لیتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے رہنمائی درکار تھی' ان کے لئے مثال چھوڑنا تھی۔ جو بھی اس کام کو لے کر اٹھے گا تو جماعت کی بنیاد حضورؐ کی سنت کے مطابق بیعت پر ہو گی' سمع وطاعت فی المعروف کی بیعت کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے دائرے کے اندر سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ معصیت میں اطاعت نہیں ہو گی۔

قتال فی سبیل اللہ

جہاد کا آخری اور تکمیلی مرحلہ جو درحقیقت اس عمارت کی بلند ترین منزل ہے' قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یہ ایک طرح سے تیسرے مرحلے کا تتمہ ہے۔ یہاں میں اس اصطلاح کو واضح کر دینا چاہتا ہوں تاکہ جہاد اور قتال میں خلط مبحث (confusion) باقی نہ رہے۔ جہاد اس مرحلے پر آ کر قتال کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس لئے کہ انقلاب برپا کر دینا اور نظام باطل کو جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین کو بالفعل قائم کر دینا قتال کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یہ ہے وہ بات جس پر سخت ٹھوکر کھائی ہے غلام احمد قادیانی آنجہانی نے۔ وہ یہ سمجھا کہ آج کی دنیا بڑی معقول ہو گئی ہے پہلے اجڈ اور گنوار لوگ تھے' وہ یہ بات مانتے نہیں تھے ان میں سمجھ نہیں تھی' اس لئے طاقت کے ساتھ منوانا پڑتا تھا۔ آج تو بڑا متمدن اور مہذب دور ہے۔ آج عقل سے بات منوائی جا سکتی ہے' دلیل سے لوگوں کو قائل کیا جا سکتا ہے' لہٰذا آج کے دور میں قتال کا کوئی سوال نہیں ہے ع

دین کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال!

یہ جان لیجئے کہ قتال یا مزاحمت (Resistance) جو بھی کسی معاشرے کی طرف سے ہوتی ہے وہ لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر ہوتی ہے۔ وہ مفادات آج بھی جوں کے توں ہیں۔ وہ "لات و منات" آج بھی اسی طرح جواں ہیں۔ آپ تبلیغ کرتے چلے جایئے۔ عیسائی مشنریز کے طریقے پر کوئی ہسپتال' کوئی سکول کھول دیجئے اور کچھ لوگوں کے نام چپکے سے بدلوا دیجئے۔ اس سے کبھی کوئی نظام تبدیل نہیں ہو گا۔ نظام کی تبدیلی کے لئے ہر سطح پر جہاد کرنا ہو گا' جس کی آخری منزل قتال ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا حکم نافذ ہو' اس کی بڑائی فی الواقع تسلیم کی جائے' اس کی بات سب سے بلند ہو! "لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا" اور اقبال کے الفاظ میں ؎

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلک مردان خود آگاہ خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

اسلام میں نیچے نیچے پھیلنے والی تبلیغ کا تصور نہیں ہے' بلکہ چار دانگ عالم میں اللہ کی کبریائی کا نفاذ مقصود ہے۔

یایھا المدثرO قم فانذرO وربک فکبر.... اے نبیؐ آپ کے مشن کا نقطہ آغاز تو ہے انذار! آخرت سے ڈرانا' خبردار کرنا اور اس کی منزل کیا ہے؟ ہدف کیا ہے؟ وہ تکبیر رب ہے' اللہ بڑا ہو' اللہ کی بڑائی مانی جائے' اللہ کی کبریائی کا نفاذ ہو اور یہ قتال کے بغیر کبھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی انقلاب بغیر قتال کے آ سکتا تو محمد رسول اللہ کا انقلاب ہو تا۔ لیکن حضور کو تو یہ حکم دیا گیا۔

"اور قتال جاری رکھو ان سے یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل صرف اللہ کے لئے ہو جائے"۔

اگر دین کی یہ تفریق رکھنی ہے تو بات اور ہے کہ نماز اللہ کے لئے پڑھیں گے' کاروبار رواج کے مطابق کریں گے اور باقی جو دنیا کا دھندا چل رہا ہے وہ اپنے طور پر چلتا رہے گا' ہم اس کے ساتھ مفاہمت کئے رہیں گے لیکن اگر دین کل کا کل اللہ کے لئے کرنا ہے تو اس کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا ناگزیر ہے۔

چنانچہ اس مرحلے پر آ کر جہاد بھی قتال بن جاتا ہے اور پھر قتال کا لفظ تو قرآن میں صراحت کے ساتھ ہے ہی "اللہ تو محبت کرتا ہے اپنے ان بندوں سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

یہاں آج میں دو نقاط واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اس قتال کے کچھ لوازم اور شرائط ہیں جن کو اگر ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو لفظ جہاد بدنام ہو گا جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔

پہلی شرط لازم یہ ہے کہ یہ جہاد اس وقت ہو تا ہے جبکہ دعوت کا جہاد اس درجے کیا جا چکا ہو کہ اتمام حجت تک بات پہنچ جائے۔ دعوت کے مراحل طے کئے بغیر براہ راست یہ قتال والا جہاد اور تصادم شروع کر دیا جائے گا تو الٹی گنگا بہ جائے گی۔ بہت سے لوگ جو فطری اعتبار سے سلیم الطبع ہیں لیکن ابھی تک آپ کی دعوت ان تک نہیں پہنچی تو وہ انہی لوگوں کا ساتھ دیں گے باطل نظام کے حامی ہیں۔ جو بھی گروہ بندی ہو گی وہ انہی سابقہ عصبیتوں کی بنیاد پر ہو گی۔ جب تک یہ واضح نہیں ہو تا کہ آپ جمہوریت کی جنگ لڑ رہے ہیں یا اسلام کی' آپ حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں یا اسلام کی؟ اگر آپ جمہوریت یا شہری حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں تو سیکولر لوگ بھی آپ کا ساتھ دیں گے' خالص بے دین عناصر بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ آپ اسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے رہے ہیں اگر آپ کا ہدف ہی معین نہیں ہے اور لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کے لئے اسے جہاد کا نام دے رہے ہیں تو اس جہاد کا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ہدف معین کر کے جو جہاد اپنے منطقی مراحل سے گزر کر ہو گا تو وہ یقیناً نتیجہ خیز ہو گا۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ صرف اس جہاد کے لئے مخصوص ہے جو غلبہ دین حق اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے ہو۔ اگرچہ اسلام میں اپنی جان' مال' عزت' آبرو' آزادی اور خود مختاری کے تحفظ اور حصول کے لئے جنگ کرنا بھی جائز ہے اور اس کا بھی اجر و ثواب ہے مگر ہر جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دے لینا صحیح نہیں۔

دوسری شرط لازم۔ ایک جماعت اور ایک امام کے پیچھے جہاد ہو گا تو جہاد فی سبیل اللہ ہو گا ورنہ نہیں۔ یہ ہے وہ حدیث امرکم بخمس..... یہ معاملہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ایک جماعت اور ایک امیر کی قیادت ---- اس میں وقت لگ جائے' کوئی پرواہ نہیں کیونکہ یہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ایک درمیانی عرصے میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں' کوئی حرج نہیں۔ لیکن to take to arms تصادم اور قتال فی سبیل اللہ کے مرحلے تک جانے کے لئے یہ شرط لازم ہے۔ اگر مختلف گروہ کھڑے ہو جائیں گے اور اپنے اپنے امام کے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ شروع کر دیں گے تو اس سے یقیناً confusion اور انتشار پیدا ہو گا۔

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کے دو خطابات پر مشتمل بعنوان:
عیسائیت اور اسلام
کتابی شکل میں دستیاب ہے
عمدہ طباعت' صفحات ۵۶ قیمت ۸ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

تبدیلیوں کی آندھی آرہی ہے!

منافقت ہمارا قومی مزاج بن چکی ہے--- کچھ اتحاد المشائخ کے کنونشن کے بارے میں

یہ مضمون قومی اسمبلی توڑ دینے سے متعلق صدارتی فیصلے کے اعلان سے قبل سپرد قلم کیا گیا۔ چنانچہ اس کو اسی تناظر میں پڑھا جائے

محمد بدر منیر

تبدیلیوں کی آندھی بڑی تیز ہے!

اس آندھی کی زد میں بڑے بڑے تناور درخت ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ جب یہ آندھی اپنے منطقی انجام کو پہنچے گی تب موجودہ سیاسی اور انتظامی چہروں میں سے بیشتر منظر سے ہٹ چکے ہوں گے نئے لوگ حالات کو بہتر بنانے میں کتنی مدت صرف کریں گے اور وہ کیا لائحہ عمل طے کریں گے اس کے بارے میں فی الحال وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے لیکن ایک بات بہرحال طے شدہ ہے' مسلمہ ہے کہ پرامن ذرائع سے نظام اور چہروں کی تبدیلی کا یہ آخری موقع ہے' اس کے بعد دھوئیں کا انقلاب آئے گا اور پھر شاید کچھ نہ بچے۔ جو حضرات سسٹم کے تحفظ کی باتیں کر رہے ہیں وہ اپنے ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں اور طول طویل کاروں میں مست ہیں ان کا خیال ہے کہ ان کے گرد جو حفاظتی جال ہے اسے دنیا کی کوئی قوت نہیں توڑ سکتی اس لئے وہ محفوظ ہیں لیکن یہ خواتین و حضرات بھول جاتے ہیں کہ انقلاب وہی ہوتا ہے جو تمام حفاظتی مورچوں کو نیست و نابود کرتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کر سکے۔ کوئی بھی مصنوعی حصار' قلعہ یا مورچہ تحفظ کی ضمانت نہیں دے سکتا۔

منافقت ہمارا قومی مزاج بن چکی ہے۔ سب ایک دوسرے کو فریب دینے کی کوشش کر رہے ہیں' انقلاب کی قوت کے بارے میں منفی اندازے لگا رہے ہیں اور ایک دوسرے کو طفل تسلیاں دینے میں مصروف ہیں' باورچی خانے کی دیواریں کبھی سفیدی پھرنے سے سفید نہیں ہو جاتیں۔ لیپا پوتی سے عوام ہرگز مطمئن نہیں ہوں گے اور نہ اب انہیں وعدوں اور منشوروں پر بہلایا جا سکتا ہے۔ وہ اس نظام کی مکمل تبدیلی کے حق میں ہیں خواہ وہ پرامن ذرائع سے آئے یا خون خرابے سے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عوام کی اکثریت دونوں متحارب طاقتوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہیں جو سسٹم کو بچانے کی باتیں کر رہے ہیں۔

منافقت کی انتہا یہ ہے کہ گزشتہ دنوں لاہور میں پیر صاحب زکوڑی شریف کی اتحاد المشائخ کی قومی کنونشن لاہور میں منعقد ہوئی جس میں مشائخ نے "اسلامائزیشن" کے لئے دھواں دار تقریریں کیں مشائخ نے پہلی بار عوامی حقوق کی باتیں حق العباد کے حوالے سے کہیں جس کا غیر مشائخ حاضرین نے بڑی خوشگوار حیرت سے خیر مقدم کیا۔ حاصل کنونشن پیر صاحب زکوڑی شریف کی صدارتی تقریر تھی جس میں انہوں نے کنونشن کے مہمان خصوصی میاں نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کنونشن میں قوم سے عہد کریں کہ وہ برسراقتدار آئے تو ملک میں مکمل اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ میاں صاحب نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اپنی تقریر میں پیر صاحب کے مطالبہ اسلامائزیشن کا جواب دیتے ہوئے یہ عجیب و غریب جواب دیا:

> "اگر اقتدار میں آیا تو میں سب سے پہلے خود پر اسلام کو نافذ کروں گا اور اس کے بعد پورے ملک پر"۔

میاں صاحب کے مندرجہ بالا الفاظ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ انہیں "اسلامی نظام" کے نفاذ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ انہوں نے یہ بات بڑی مضحکہ خیز کہی ہے کہ وہ اگر برسراقتدار آئے تو سب سے پہلے خود پر اسلام نافذ کریں گے ۔ یعنی نہ صرف یہ کہ اس وقت وہ خود پر اسلام کو نافذ کرنے کے لئے تیار ہیں اور نہ بعد میں بلکہ وہ اس صورت میں خود پر اسلامی اصولوں کو لاگو کریں گے اگر وہ اقتدار میں آئے ---- بدقسمتی سے مشائخ نے یا دوسرے خواتین و حضرات نے میاں صاحب کے اس جملے کا نوٹس لیا اور نہ ان کے حلقہ سے باہر کسی نے---

---

پیر صاحب زکوڑی شریف نے جو نوجوان بھی ہیں اور صوبہ سرحد کے ایک بہت بڑے گدی نشین بھی ہیں جس کا سیاست سے گہرا تعلق تھا اور ہے' خاص طور پر تحریک پاکستان کے ضمن میں ان کے والد گرامی نے جو خدمات انجام دی ہیں اس پر قائداعظم نے انہیں "فاتح ریفرنڈم" کا خطاب دیا تھا' موجودہ پیر صاحب نے بڑے خلوص سے "مسلم لیگ" کا ساتھ دینے کا اعلان کیا' اس مقصد کے لئے وہ ملک میں ہر جگہ گئے اور تمام قابل ذکر مشائخ کو اس کنونشن میں شرکت کی دعوت دی اور نوے فیصد کے لگ بھگ اس کنونشن میں شامل ہوئے۔ مشائخ کے اتنے بڑے اجتماع کو جس طرح بلڈوز کیا گیا وہ ایک المیہ ہے اور دینی جماعتوں کے لئے ایک سبق بھی۔

ہمارے سیاست دان جب یہ فرماتے ہیں کہ وہ ماضی کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گے تو دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ "نئی غلطیاں" کریں گے چنانچہ بیگم صاحبہ نے اپنے اقتدار کے پہلے دور میں جو "غلطیاں" کی تھیں انہیں دہرانے کی بجائے نئی غلطیاں کر رہی ہیں اور اس پر نازاں بھی ہیں۔ انہوں نے امریکا کے سوا تقریباً سب سے محاذ آرائی کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے' مگر گھریلو محاذ پر تو وہ بڑی بھاری آواز میں اعلان کرتی ہیں کہ وہ اس سے لڑیں گی اور اس سے لڑیں گی ---- ان کے بھائیوں میں سے ایک کی برسی اور دوسرے کا چہلم گزر چکا ہے' ان کے پاس اور ان کے دیگر اہل خاندان کے پاس ایسے لوگوں کی اب کمی نہیں جن کی وہ برسی منانے میں اپنے لئے مصروفیات تلاش کر سکیں' پھر ان کے پاس

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

یہ شیخ عمر کا نہیں بلکہ دین اسلام کا مقدمہ ہے

سنگاپور کے قائدلی۔ کوان۔ ین نے مسلمان حکمرانوں پر اخلاقی اقدار سے محروم ہونے کا الزام لگایا

مصری عوام کی ظلم سے آزادی کی انقلابی جدوجہد کسی طور پر بھی ایرانیوں کی جدوجہد سے مختلف نہیں

وکیل صفائی اور سرکاری وکیل دین اسلام یا شیخ عمر کے مذہبی نظریات کے بارے میں سوالات کرنے کی جرات نہ کر سکے

عمران نذر حسین

مصر کے نابینا عالم جناب شیخ عمر عبدالرحمٰن اس وقت امریکہ کی ایک جیل میں دہشت گردی کو فروغ دینے کے الزام میں عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ذیل میں جناب عمران این حسین صاحب کا وہ خط دیا جا رہا ہے جو انہوں نے اس مقدمے کے حوالے سے مقدمے کے جج کو اس وقت ارسال کیا جب سماعت مکمل ہو چکی تھی اور سزا سنائے جانے کا مرحلہ باقی تھا۔ (ادارہ)

از عمران نذر حسین
بنام جج مائیکل بی کیمی
ڈسٹرکٹ جج یو۔ ایس ہائی کورٹ ہاؤس
نیویارک

جناب جج کیمی صاحب :

میں یہ تحریر آپ کی اجازت سے منضبط کر رہا ہوں تاکہ شیخ عمر عبدالرحمٰن کے مذہبی / دینی نظریات اور کردار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں تاکہ اس کیس کے حوالے سے سزا سناتے ہوئے میرے خیالات اور آراء کی طرف مراجعت کی جا سکے۔

شیخ عمر عبدالرحمٰن کے جن نظریات و خیالات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کا تعلق غیر آئینی اور استبدادی حکومتوں کی قانونی حیثیت سے ہے' خصوصاً وہ حکومتیں جن کا سعودی عرب اور مصر جیسے ممالک پر تسلط ہے۔ بقول ان کے ناقدین کے شیخ موصوف ان ممالک کے مظلوم عوام کو ابھارنے اور انہیں ظالموں سے آزادی کے حصول میں کوشاں رکھنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یہ حضرات اس نہج پر استدلال کرتے ہوئے جو موقف اختیار کرتے ہیں اس کے مطابق شیخ عمر کے افکار' انقلابی جدوجہد اور ان کی شخصیت بعینہ اسلام کے عام طور پر مروج اور قابل قبول تصورات سے متصادم اور ان کا عمل ان تصورات کے خلاف ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے افکار کے حامل لوگ یا تو بذات خود جائز اور مستند زعماء سے منسلک ہیں یا وہ (کسی بھی وجہ سے) حقیقت احوال سے قطعی طور پر ناآشنا اور ناواقف ہیں۔ ہمیں ابتدا ہی سے یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ جو انقلاب افروز پیغام اور مشن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں اور اقوام عالم کے لئے چھوڑا ہے اس کی توضیح اور تشریح میں شیخ عمر فقط معتبر اور ثقہ ہی نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر جرات مند اور صاف گو واقع ہوئے ہیں۔ لیکن جرات مندانہ مزاج تو ایسے لوگوں کا فقید المثال خاصا رہا ہے جو عالمی ہیئت اور تاریخ کے دھارے کو بدلتے رہے ہیں۔ درحقیقت ایسی ہی ایک مثال پیغمبر اسلام کی ذات اقدس نے بنفسہ قائم کی تھی۔ بہرحال ایک سوال یقیناً ذہنوں میں ابھر کر آتا ہو گا' یعنی کیا شیخ عمر اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے مذہبی نظریات کو عامتہ المسلمین کی طرف سے حمایت حاصل ہے؟۔ جواباً عرض ہے جی ہاں! بالاثبات اور بالتصدیق۔

یہ بات واضح طور پر آشکارا ہو چکی ہے کہ مسلمانان عالم نے شہنشاہ ایران کی استحصالی اور ظالمانہ حکومت کے خلاف انقلاب افروز جدوجہد کی اپنی حمایت اور تائید کے ذریعے موافقت کی تھی۔ اسلام پر مبنی اس تحریک کی قیادت ایک مذہبی رہنما ہی کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے ویسی ہی جرات کا مظاہرہ کیا جس طرح کہ آج شیخ عمر کر رہے ہیں۔ دراصل مصر' سعودی عرب اور ان جیسے دیگر مسلم ممالک کی حکومتوں کے غیر نمائندہ کردار اور حیثیت ہی تھی جس نے ان حکومتوں کو آخر دم تک شاہ کی مدد کرنے پر اکسائے رکھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت نے بھی شاہ کی ظالمانہ حکومت کی آخری لمحات تک مدد کی۔ لیکن اس کے باوجود جب شاہ کو ایران سے بھاگنا پڑا تو تمام دنیا نے اس کو وقت کا ٹھکرایا ہوا کردار اور اچھوت سمجھا۔ دنیا میں ایک حکومت بھی ایسی نہ تھی جو عالمی رائے عامہ کی نفی کرنے کے لئے تیار ہوتی' اور نہ ہی کوئی شاہ کو مستقل پناہ دے سکی' یہاں تک کہ امریکی حکومت بھی۔ آخر کار مصر کے صدر سادات ہی کو راغب کیا گیا کہ وہ شاہ پر رحم کھا کر ان کو مصر میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔ ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو واضح ہو گا کہ ایسی حکومتیں بشمول امریکہ' جنہوں نے شاہ کے نظام کی حمایت کی وہ قطعی طور پر ایک ظالمانہ موقف اختیار کئے ہوئے تھیں۔ یہ وہ بات تھی کہ جس کا امریکیوں کی اکثریت نے بھی اعتراف کیا۔ شیخ عمر نے اس کے برعکس ظلم و تعدی سے آزادی حاصل کرنے والے ایرانیوں کی انقلابی جدوجہد کی علی الاعلان حمایت کی اور سچ یہ ہے کہ مصری عوام کی ظلم سے آزادی حاصل کرنے کی انقلابی جدوجہد کسی طور پر بھی ایرانیوں کی جدوجہد سے مختلف نہیں۔

اور پھر ایسے ہی عامتہ المسلمین کے جذبات کا اظہار ایک بار پھر خلیجی جنگ کے دوران ہوا۔ عراق کی طرف سے کویت پر حملے کا نتیجہ فقط کویت کو ہڑپ کرنے ہی کی صورت میں نہ نکلا بلکہ اس سے سعودی عرب کی سالمیت کے لئے بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔ ویسے صدام حسین اسلام کے کوئی مرد بطل (champion)

نہیں تھے۔ درحقیقت انہیں اور ان کی حکومت کو اسلام کا دشمن ہی متصور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود سعودی اور کویتی حکومتوں کے خلاف عالم اسلام کے شعور میں ایک ایسی لہر اٹھی کہ دنیا بھر کے مسلمان عراق اور صدام حسین کی حمایت میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اس بار مسلم حکومتوں کا موقف اپنے ہی عوام کے جذبات سے متصادم تھا۔ اس کے باوجود کہ امریکی اور دوسری مغربی فوجوں کی سعودی عرب میں موجودگی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی نفی تھی مسلمان حکومتیں سعودیوں کو بچانے کے لئے فوراً ہی امریکہ کی سربراہی میں اتحادیوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

مثلاً ملائشیا کی حکومت نے عراق کو ہدف بنانے والی ایسی ہی ایک کاوش کی حمایت کی جس میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو قائد کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ اس نے سیکورٹی کونسل کی قرارداد مورخہ دسمبر ۱۹۹۰ء کی حمایت میں ووٹ دیا جس میں عراق کے خلاف فوج کشی کی قانونی اجازت موجود تھی۔ ملائشیا کے مسلمانوں اور اس ملک کے دانشوروں نے اپنے طور پر عالمی سطح پر عراق کے حق میں تائید و حمایت کا اظہار کیا۔ سنگاپور کے مسلمانوں نے بھی ایسے ہی جذبات کی عکاسی کی اور یہی وجہ تھی کہ سنگاپور کے ایک قائد لی ۔ کوان ۔ ین نے مسلمان حکمرانوں پر اخلاقی اقدار سے محروم ہونے کا الزام لگا دیا۔

سچ تو یہ ہے کہ سعودی اور مصری حکومتوں کے ظالمانہ اور غیر نمائندہ کردار کے حوالے سے شیخ عمر کے نظریات اور ان کی کاوشیں جو ان حکومتوں کے خلاف ایک چیلنج بن کر ابھریں دراصل مسلمانان عالم کے جذبات کی ایک بازگشت ہی تھیں۔

الجزائر کے مسلمانوں کا ظلم و تعدی کے خلاف جرات مندانہ اور پرعزم جہاد بھی عالم اسلام میں پورے شدومد سے سراہا جا رہا ہے۔ تاہم عالم اسلام کے زعما اور حکومتیں الجزائر کی فوجی قیادت کی اسی جہل اور حماقت میں مبتلا ہو کر حمایت کر رہی ہیں جس طرح انہوں نے شاہ ایران کی اعانت کی تھی۔ ایسی ہی حکومتیں اور ان کے معاون زعما الجزائر، مصر اور سعودی عرب جیسے ملکوں کی سرزمین پر ہونے والے ظلم و استبداد سے متعلق شیخ عمر کے افکار اور نظریات کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود شیخ عمر کو عوام کی تائید و حمایت حاصل ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ شیخ عمر عبدالرحمٰن کی ظلم کے خلاف مصر میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم جدوجہد کے حوالے سے میرے اندر جو بے پایاں استحسان موجزن ہے اس کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر لیا جائے۔ شیخ اپنے افکار اور جہاد میں اکیلے نہیں ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمان ان کے ساتھ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مصر میں تاریخ کا عمل اسی جہت میں آگے بڑھ رہا ہے جس میں ایران کی ظالم حکومت کا قصہ پاک ہوا تھا۔ اور جو کوئی بھی اس راہ پر چلے گا جس پر شیخ عمر اب تک چلتے رہے ہیں اس کو ظلم کی چکی میں پسے ہوئے عوام کی حمایت و موافقت حاصل ہو کر رہے گی۔ کوئی دھمکی اور کوئی عفریت بنا کر پیش کرنے کی کوشش اس حقیقت کو تبدیل نہ کر سکے گی۔ اور یہ ظلم کے خلاف جدوجہد ہی ہے جس کا اظہار اکتوبر ۱۹۹۵ء میں واشنگٹن کی سڑکوں پر لاکھوں مظلوم انسانوں کے اجتماع کے ذریعے ہو چکا ہے۔ کیا شیخ عبدالرحمٰن کے مذہبی افکار فی الواقعہ معتبر اور واجب

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

زر کثیر خرچ کر کے سینٹ کی نشست حاصل کرنے والے معززین

ملک کی کیا خدمت کر سکیں گے؟

ہماری قوم اور آنے والی حکومتیں بے خبری کا شکار ہے۔ انہیں اچھے برے کی پہچان نہیں رہی۔ اسی لئے پاکستان کے مخالفین اپنی خوشامدوں کے بل بوتے پر ان کے نزدیک اور پاکستان کے لئے قربانیاں دینے والے اپنی خود داری کے سبب ان سے ناراض ہوتے چلے جا رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آنے والی ہر نئی حکومت ناکام ہو جاتی ہے۔

بہتر یہ ہو گا کہ چھوٹے چھوٹے صوبے بنا دیئے جائیں۔ اس سے اختلافات کم ہوں گے اور ترقی کی راہ ہموار ہو گی' احتساب کا عمل تیز ہو گا' جہاں مالی بدعنوانی ہو وہاں صوبے کا جج جو بااختیار ہو احتساب از خود کیا کرے۔ پاکستان ایک نظریئے کے تحت بنا تھا مگر اب جو قومیتیں ابھر رہی ہیں اس کی وجہ ناانصافیاں ہیں۔ اس کی روک تھام اس وقت ممکن ہو گی جب علاقے اور اختیارات صوبائی حکومتوں کے حوالے ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس دفعہ سینٹ کی ممبرشپ کے لئے جب مجھ سے پیسوں کا مطالبہ کیا گیا تو میں نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں زر کثیر خرچ کر کے سینٹ کا ممبر نہیں بننا چاہتا۔ اس لئے کہ اس سے قبل میں دو دفعہ زر کثیر خرچ کئے بغیر سینٹ کا ممبر منتخب ہوا اور میں نے کم از کم دو بل پیش کئے ہیں جو ریکارڈ پر ہیں۔

میرے خیال میں زر کثیر خرچ کر کے سینٹ میں داخل ہونے والے معززین ملک کی کیا خدمت کر سکیں گے؟ اس لئے کہ وہ تو اسے کاروبار بنا رہے ہیں بلکہ کافی حد تک ان کی تمام سرگرمیاں کاروباری نوعیت کی ہوا کریں گی۔ ممبران کی اس روش سے عوام کے دلوں میں تمام جمہوری اداروں کے خلاف نفرت پیدا ہو گی اور ان میں بے چینی بڑھے گی جو یقینی طور پر مستقبل قریب میں ایک ایسے طوفان خیز انقلاب کی راہ ہموار کرے گی جس کی بیکراں لہروں میں مجھے ڈر ہے کہ سب کچھ بہہ جانے کا خطرہ شدت اختیار کر جائے گا۔

اپنے رفقاء کو مختصراً یہی کہوں گا کہ خدا کے عذاب سے ڈرو' راہ تقویٰ اختیار کرو۔ اگر ملک و قوم کی خدمت کرنا ہے تو نہ صرف سینٹ بلکہ تمام جمہوری اداروں میں کاروباری ذہن کے لوگوں کا داخلہ بند کرو۔ یہ قوم و ملک پر بہت بڑا احسان ہو گا ورنہ مجھے ڈر ہے کہ زر کثیر کے بل بوتے پر جمہوری اداروں میں آنے والے حضرات قوم کے غریب افراد کی جیبیں خالی کروا کر اپنی تجوریاں بھر لیں گے اور وہ انقلاب یقینی طور پر آئے گا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

(سینیٹر نواب زادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی)

قرآن کے مخصوص فلسفہ تاریخ کو قرآن کے مطالعہ ہی سے سمجھا جاسکتا ہے

قرآن کسی بھی حادثہ یا واقعہ کو بلاسبب اور ایک امر اتفاقی تصور نہیں کرتا

ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

انبیاء اور ان کی امتیں

تاریخ کے تمام ادوار میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے آسائش پسند اور اسراف پسند طبقوں کے درمیان ایک قسم کا واسطہ رہا ہے اور یہی واسطہ ہمارے سامنے تاریخی اصول و ضوابط کی شکل میں آتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء کا ان لوگوں سے رابطہ یا واسطہ کوئی اتفاقی مسئلہ نہیں تھا۔ وگرنہ ہر دور اور ہر زمانے میں ایک جاری اور ساری ضابطہ و قانون کی شکل میں بار بار اس کی تکرار نہ ہوتی اور وہ بھی اس حد تک کہ قرآن کو کہنا پڑا :

"ہم نے جب بھی کبھی سر زمین پر کوئی پیغمبر مبعوث کیا تو وہاں کے خوشحال اور آسائش پسند باشندوں نے اس سے کہا کہ تم جو کچھ بھی لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے پاس سب سے زیادہ مال و دولت اور اولاد ہے۔ ہم پر کبھی عذاب نہیں ہو گا"۔

(سبا : ۳۵۔۳۴)

تاریخ کے گرد آلود صفحات کو جھاڑ پونچھ کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ انبیاء الٰہی کی قوی شخصیت اور آسائش پسند و زر پرست طبقے کی سماجی اور اجتماعی زندگی کے مابین مخالفت اور تضاد کا پہلو ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اور یہی وہ پہلو ہے جو در حقیقت معاشرے میں انبیائے الٰہی کی شخصیت و کردار کو اس آسائش پسند و زر پرست طبقے کی شخصیت و کردار سے بلند و بالا کرتا ہے اور اہل معاشرہ کو دونوں گروہوں کے بارے میں ایک بنیادی فکر و نظریہ عطا کرتا ہے۔ انبیاء کے نقوش و اثرات کو زائل کرنے میں مترفین اور مسرفین کا گروہ دامے، درمے، سخنے ہمیشہ برسر پیکار رہا۔

یہ بھی تاریخ کا اصول و ضابطہ ہے کہ تبلیغ دین، الٰہی نظام اور زر پرستوں کے درمیان ہمیشہ کش مکش اور ٹکراؤ ہوتا رہا جس کے نتیجے میں انہیں تباہی و بربادی اور ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی مفہوم کو قرآن مجید صاف صاف کس طرح بیان کرتا ہے :

"ہم نے کسی سرزمین کے باشندوں کو ہلاکت کا مزا چکھانا چاہا تو اس کے گروہ مترفین (زر پرست و آسائش پسند طبقہ) کو فرمت اور چھوٹ دیدی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس خطہ کو فسق و فجور سے بھر دیا جس کے نتیجہ میں ہمارے وعدے کی سچائی سامنے آگئی۔ یعنی ہم نے ان کو بری طرح تہس نہس، تباہ و برباد کر دیا۔ اور ہم نے نوح کے بعد بھی کتنی قوموں کو ہلاکت کا مزہ چکھایا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب باخبر ہے اور صاحب نظر ہے۔ (الاسرا : ۱۷۔۱۶)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! اس سے زیادہ اور کس طرح معاشرے میں موجود اور اس پر حاکم جور و ستم اور تباہی و ہلاکت کے درمیان پائے جانے والے گہرے ربط کو بیان کیا جاتا۔ یہاں دیکھ لیں اس بات پر پورا زور دیا گیا ہے کہ ظلم و ہلاکت کا یہ باہمی ارتباط تاریخ کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تاریخ کا ایک مخصوص فلسفہ و قانون ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ احکامات الٰہی کی پیروی و پابندی اور خیر و برکت کی فراوانی و انعامات کے درمیان تعلق کو کس طرح قرآنی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

"اگر ان لوگوں نے توریت اور انجیل کے احکامات و قوانین کو جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان کے لئے نازل ہوئے تھے قائم کیا ہوتا اور ان کے مطابق عمل کیا ہوتا تو سر سے پاؤں تک ہمیشہ نعمت الٰہی میں غرق رہتے"۔ (مائدہ : ۶۶)

اسی مفہوم کو ایک اور جگہ پڑھئے :

اگر وہ لوگ راہ راست پر استقامت و پامردی کے ساتھ باقی رہتے تو ہم انہیں وسعت رزق اور نعمتوں کی فراوانی سے مالا مال کر دیتے"۔

(جن : ۱۶)

اسی نفس مضمون کو سورۂ زخرف : ۲۲ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"ہم نے اسی طرح آپ سے قبل جب بھی کسی سرزمین پر کسی پیغمبر کو مبعوث فرمایا تو اس کے گروہ مترفین (اہل ثروت) نے کہا ہم نے جس راستے پر اپنے آباؤ اجداد کو دیکھا ہے اسی پر ان کے نقش قدم کی ہم پیروی کریں گے"۔

تاریخی حوادث کا جائزہ

یہ بھی تاریخ کا ایک قانون ہے جسے مندرجہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم ان آیات کو پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ تاریخی واقعات اور حوادث کا باقاعدہ جائزہ لیں۔ ان کا گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ ان کی تحقیق و چھان بین کریں۔ اور ان میں غور و خوض فکر و تدبر سے کام لیں تاکہ ہم تاریخ کے عالمگیر اصول و ضوابط اور قواعد و قانون کے عمیق جائزے کے ذریعہ تاریخ کے میدان میں تحقیقی افکار و نظریات کے حامل بن سکیں۔ اور علم تاریخ کے تمام رموز و حقائق ہم پر اچھی طرح آشکار ہو سکیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ قرآن کیا کہتا ہے :

"کیا ان لوگوں نے زمین پر سفر اور سیر و سیاحت نہیں کی تاکہ گزشتہ قوموں کا انجام دیکھ سکتے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا اور وہ تمام کفار کے ساتھ ایسا ہی سلوک رکھتا ہے"۔

ایک اور آیت میں بالکل یہی بات دوسرے انداز میں کہی گئی ہے :

"پھر کیا وہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ انہیں اسلاف کا انجام نظر نہیں آیا جو پہلے گزر چکے ہیں"۔ (یوسف : ۱۰۹)

جب ہم حوادث واقعات کا تاریخ میں جائزہ لیتے ہیں تو قرآن پاک میں ہمیں یہ آیت کریمہ بھی نظر آتی ہے :

"کتنی سرزمینوں کے باشندوں کو ہم نے جور و ستم کے نتیجے میں ہلاک کر دیا۔ ان کے مکان کی چھتیں بیٹھ گئیں۔ دیواریں زمین بوس ہو گئیں۔ کنویں بے مصرف ہو گئے اور انکے قلعے ویران ہو گئے۔ کیا وجہ ہے کہ لوگ زمین پر سیاحت

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

سندھ کی کابینہ میں ایک اور اسیر موجود ہے

صدر مملکت کے حالیہ اقدامات نے ثابت کردیا ہے کہ وہ فضل الٰہی چوہدری نہیں ہیں

ایک مضمون جو اسمبلیوں کے توڑ دیئے جانے کے صدارتی فیصلے سے قبل تحریر کیا گیا

گیاہ ضعیف

چچا غالب کا مشہور شعر ہے کہ

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

فی زمانہ سیاسی جماعتیں اور قید و بند لازم و ملزوم ہیں۔ البتہ پیپلز پارٹی کی شان ہی نرالی ہے۔ کبھی تو اپنے کسی کارکن کو صدر بناتی ہے اور پھر اسے ایوان صدر میں قید کردیتی ہے تا آنکہ دیواروں پر..... کو رہا کرو کے نعرے لکھنے پڑتے ہیں اور کبھی کسی کو پہلے قید کرتی ہے اور پھر وزیر بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ ایم کیو ایم کی رکن اسمبلی فیروزہ بیگم کے ساتھ ہوا لیکن فیروزہ بیگم نے بے نظیر بیگم کو خوب اڑنگا لگایا ہے اور عدالت کے راستے سے اس قید سے اس طرح آزاد ہوئی ہیں جس طرح کہتے ہیں کہ نور جہان بیگم کے ہاتھوں سے طوطے اڑے تھے بہرحال ان کی اس اڑان نے ایک بار پھر اس جابرانہ اور استحصالی نظام کی خباثتوں کو عیاں کیا ہے جس کو بچانے کے لئے اب ان ہاؤس تبدیلیوں کی باتیں ہو رہی ہیں اس نظام کے پرستاروں کے بارے میں ہمیشہ یہ شعر لکھا کرتا ہوں جو مجھے ان کے حسب حال نظر آتا ہے کہ ع

آشیاں جل گیا گلستاں لٹ گیا ہم قفس سے نکل کر کہاں جائیں گے

اتنے مانوس صیاد سے ہوگئے اب رہائی ملی بھی تو مر جائیں گے

لیکن اس قفس نظام میں ایسے قیدی بھی ہیں جو اس قفس کو توڑ کر باہر آنے کا عزم ظاہر کرتے ہیں لیکن وہ بھی نظام کی تبدیلی سے زیادہ حکومتوں کے گرانے سے دلچسپی رکھتے ہیں انہوں نے ایوب خان کی حکومت گرانے میں کردار ادا کیا تو شامت اعمال ما صورت بھٹو گرفت والا معاملہ ہو گیا اور بھٹو کے خلاف تحریک چلائی تو مرد مومن مرد حق آگئے جنہوں نے اقتدار کو اپنا حق جانا اب یہ بے نظیر کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔ مظاہروں کو دھرنوں کا نام دے دیا ہے۔ کوئی نہیں جو انہیں سمجھائے کہ دھرنے تو مطالبہ کی تکمیل تک جاری رہتے ہیں جس کے نتیجہ میں یا تو تخت یا تختہ۔ پھر ان کا اصل مطالبہ تو نظام اسلام کے قیام کا ہونا چاہئے نہ کہ کسی حکومت کا دھڑن تختہ۔ جب صورتحال یہ ہے تو اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم ہو تو کیوں کر اور لوگوں کو ظلم سے نجات اور عدل کا حصول ہو تو کیسے۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو جن سے مایوسیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بات چل رہی تھی فیروزہ بیگم کی۔ انہیں بہرحال مشکور ہونا چاہئے اردشیر کاؤس جی کا جنہوں نے ان کی ہائے کو زبان دی۔ میں کاؤس جی سے گزارش کروں گا کہ وہ ایک اور مضمون لکھیں جس کا عنوان ہو "باپ کی ہائے"۔ دراصل حکومت سندھ کی کابینہ میں ایک اور اسیر موجود ہے جو بظاہر حکومت کا اسیر دکھائی دیتا ہے درحقیقت وہ اپنے "نفس امارہ" کا اسیر ہے ممکن ہے کہ بے چارہ اپنے "نفس لوامہ" کا ہدف بنا ہوا ہو۔ اگر اس بے چارے کا بھی بھلا ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ ممکن ہے کہ کاؤس جی کے تازہ مضمون سے جس کا عنوان میں نے اوپر تحریر کیا ہے ایم کیو ایم کے کسی اسیر رکن اسمبلی کو ہمدردی پیدا نہ ہو کیونکہ ایم کیو ایم نے منحرفین کیلئے اپنے دروازے بند کرکے اس پر تختی لگا رکھی ہے کہ "غداروں کا داخلہ ممنوع ہے"۔ ممکن ہے ان سابق ارکان اسمبلی میں سے کسی کو ہمدردی پیدا ہو جائے جنہوں نے حال ہی میں ایک تنظیم بنائی ہے۔ آخر اس تنظیم کو بھی کرنے کے لئے کوئی کام چاہئے ہوگا۔

اب ذرا سنجیدگی اختیار کرتے ہیں آئین کے آرٹیکل ۴۲ میں صدر مملکت کے حلف نامے میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

"کہ بحیثیت صدر پاکستان، میں اپنے فرائض و کارہائے منصبی ایمانداری، اپنی انتہائی صلاحیت اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور اور قانون کے مطابق اور ہمیشہ پاکستان کی خود مختاری، سالمیت، استحکام، بہبود اور خوشحالی کی خاطر انجام دوں گا"۔

اور ان کے نمائندے صوبائی گورنر صاحب ہیں۔ لہٰذا وہ بھی اس کے پابند ہیں اور اگر یہ درست ہے تو کیا،

(۱) کسی رکن اسمبلی کو جو خاتون بھی ہو بلا کسی جرم کے ثبوت کے دو دن تک تھانے میں بند رکھا جاسکتا ہے۔

(۲) اسے اس کی مرضی کے خلاف زبردستی وزارت کا حلف اٹھانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور اس کا حلف بھی صدر کے نمائندے یعنی گورنر اٹھوائیں تو یہ امور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور اور قانون سے مطابقت رکھتے ہیں۔

اور اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو کیا وہ صدر کی نمائندگی کا اہل ہے اور کیا صدر کو اپنے ایسے نمائندے کو فوری طور پر معزول نہیں کردینا چاہئے؟ انہوں نے گورنر کے خلاف اقدام نہ کیا تو کیا خود ان کی اپنی حیثیت مجروح نہیں ہوگی خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ پوری قوم کی نگاہیں اس ظالم و جابر حکومت سے نجات کیلئے ان پر لگی ہوئی ہیں۔

صدر مملکت کے حالیہ اقدامات نے ثابت کردیا ہے کہ وہ فضل الٰہی چوہدری جیسے صدر نہیں ہیں۔ وہ اگر گورنر کو فوری طور پر ڈس مس نہیں کرتے تو کیا ان کے سارے اقدامات "نورا کشتی" کہلانے کے حقدار نہیں ہونگے؟

ہمارے وطن میں ماہرین آئین کی کوئی کمی نہیں۔ کیا ان میں سے کسی میں اتنی اخلاقی جرات ہے کہ فیروزہ بیگم کے کیس کی بنیاد پر صوبائی حکومت کی برطرفی کے لئے عدالتی چارہ جوئی کرے۔

صیہونیت اور یہودیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے

اسرائیل خونریزی کے ذریعے قائم ہوا تھا

یہ محض ایک مغالطہ ہے کہ معیشت پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

لندن کے اینگلو ہیبریو (Anglo-Hebrew) پبلشنگ نے جو یہودیوں کا ایک چھوٹا سا صیہونیت مخالف اشاعتی ادارہ ہے' حال ہی میں ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے Charity Begins At Home یعنی اول خویش بعد درویش۔

پمفلٹ میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں سے تعصب رکھنے والے طبقوں نے یہودیوں کے بارے میں بہت ہی غلط قسم کے عقائد گھڑ رکھے ہیں۔ ان میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ معاشی نظام بلکہ اس سے بھی آگے پورا معاشی نظام یہودیوں کے کنٹرول میں ہے۔ چنانچہ ایسے مفروضوں کو بنیاد بنا کر یہودیوں کے خلاف ایک بہت بڑا مقدمہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی بینکاری اور تجارت کے شعبوں میں نمایاں ہونے والے یہودیوں کی فہرست پر نگاہ ڈالیں تو بینکاری میں گولڈ مین' لوعب' لیسمین' سیلگ مین اور روتھ چائلڈ کل پانچ یہودی نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

اسی طرح کاروبار میں بھی یہودیوں کے نام بڑھا چڑھا کر پیش کئے جاتے ہیں۔ ایچ سموئیل' جیولرز' ایمسٹراڈ (جو الان شوگر کی ملکیت ہے) اور مارکس اینڈ سپنسر' برطانیہ کا بہت بڑا (اور سب سے باوقار) پرچون فروش۔ اس فہرست میں مزید کئی سو نام شامل کئے جا سکتے ہیں جو خاصے مرعوب کن ہو سکتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ محض ایک مغالطہ ہے کہ معیشت پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے یا وہ اس پر چھائے ہوئے ہیں۔ یہ یہود دشمنوں کا واہمہ ہے کہ وہ یہودیوں کے معاشی غلبے کو ایک سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں حالانکہ آزاد معیشت میں یہودیوں کو اگر کہیں کامیابی نصیب ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے گاہکوں کی ضروریات بہتر طور پر پوری کرتے ہیں ورنہ کسی کو خاص طور پر یہودیوں سے تجارت کرنے کی کیا پڑی ہے۔

اگر کئی ایک یہودی دولت مندی اور کاروبار میں آگے ہیں تو انہیں مبارک ہو لیکن ایسے یہودی جن کے پاس کچھ نہیں ہے انہیں اس سے کیا فائدہ۔ درحقیقت یہودیوں میں بھی اسی طرح غریب ہیں جس طرح غیر یہودیوں میں ہیں بلکہ بعض حالات میں ان سے زیادہ۔ ۱۹۷۴ء کے ایک امریکی جائزے میں بتایا گیا تھا کہ میامی بیچ کے جنوبی ساحلی علاقے میں ۴۰ ہزار انتہائی مفلس افراد رہ رہے ہیں' ان میں سے ۸۵% یہودی ہیں۔ غربت خاص طور پر Hassidic فرقے کے یہودیوں میں نمایاں ہے جس کی بڑی وجہ ان کی بے روزگاری ہے۔ ان یہودیوں کا مخصوص طرز زندگی ہے جس کی وجہ سے وہ جدید دنیا کے تقاضوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کر پاتے۔ ایک مصنف کے بقول "کون سی انشورنس کمپنی اپنے سیلز مین کو اجازت دے گی کہ وہ ایسے عجیب انداز کے بال رکھے؟ اور کون سا تجارتی ادارہ اپنے کارکن کو جمعے کے روز بارہ بجے چھٹی دے گا تاکہ وہ گھر جا کر سبت کی تیاری کرے' خصوصاً جبکہ یہ کارکن سنیچر کے پورے دن بھی غیر حاضر رہے گا؟"۔

ولیمز برگ (بروکلین) کے علاقے میں ۲۵ ہزار غریب Hassidic یہودی رہتے ہیں۔ امریکی یہودیوں کے اتنی بڑی تعداد میں غربت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ وہ "غربت کے خلاف اس جنگ" سے مستفید ہونے سے محروم رہے جس کے ذریعے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں یہودیوں کے سوا دیگر نسلی اقلیتوں کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ ہر شخص نے از خود یہ فرض کر لیا ہے کہ کوئی یہودی غریب نہیں ہو سکتا۔ غریب یہودیوں کو دیکھنے کے لئے ضروری نہیں کہ آپ امریکہ ہی جائیں سٹمفورڈ ہل میں جو برطانیہ میں Hassidic یہودیوں کی سب سے بڑی آبادی ہے بہت بڑی تعداد میں غریب یہودی بستے ہیں بلکہ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو غریب یہودی مل جائیں گے۔

یہود مخالفوں کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ یہودی صرف اپنوں کا خیال رکھتے ہیں اگر یہ کوئی برا کام ہے تو ہر یہودی کو اس پر فخر ہونا چاہئے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر یہودی دوسروں کی نسبت فراخ دلی سے خیراتی کاموں میں حصہ لیتے ہیں اس لئے کہ یہودیت کی رو سے اسے ایک فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ برطانیہ میں یہودیوں کے کئی خیراتی ادارے بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۲ء میں ایک اسکالر' ہیرلڈ پولنز نے لکھا تھا کہ "ستر کی دہائی کے اوائل میں جیوش ویلفیئر بورڈ ۲۵۰۰ عمر رسیدہ افراد کو امداد فراہم کر رہا تھا" اور ۱۹۷۴ء میں بورڈ نے مالی امداد کی اپیل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا تھا کہ "لندن اور جنوب مشرق میں مقیم ہر دس میں ایک خاندان امداد کے لئے ہمارے پاس آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی "یہودی بچوں کے لئے قائم ناروڈ ہومز نامی ادارہ ایک ہزار سے زائد بچوں کی نگہداشت کا فریضہ انجام دے رہا تھا"۔ یہودی کرانیکل میں آج بھی ناروڈ ہومز کی اپیلیں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتی ہیں۔

اگر یہودی اپنوں کی امداد میں پیچھے نہیں رہتے تو اس سے زیادہ دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔ خاص کر اسرائیلی ریاست کو ۱۹۴۸ء میں اس کے قیام سے لے کر آج تک اربوں ڈالر دے چکے ہیں۔ اور اربوں ہی ڈالر امریکہ سے "امداد" کے طور پر دیئے گئے ہیں۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ اپنے قیام سے قبل بھی اسرائیل کا دارومدار یہودیوں کے عطیات پر تھا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۸ء کے عرصے میں ۲۰ ارب ڈالر فلسطین بھیجے گئے تھے۔ امریکی یہودی' برطانوی یہودی اور وہ تمام یہودی جو دیگر ممالک میں منتشر ہیں بہت بڑی رقوم اسرائیل بھیجتے رہتے ہیں اور اپنے ہاں کی

حکومت کو اسرائیل کے حق میں ترغیب دلاتے رہتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک اسرائیلی ریاست یہودیوں کی تاریخی جدوجہد کی علامت ہے اور وہ اس کے ساتھ ایک جذباتی لگاؤ محسوس کرتے ہیں۔ جو یہودی صیہونیت یعنی Zionism کی حمایت نہیں کرتا اسے صیہونی تنظیموں کی شدید ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسے غیر یہودی یا یہودی مخالف سمجھا جائے۔ اگرچہ بظاہر صیہونیت اور یہودیت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہودیت کو تمام ابراہیمی مذاہب کی ماں کی حیثیت حاصل ہے اور اس کی تعلیمات کو اخلاقی قوانین کا اصل سرچشمہ کہا جا سکتا ہے جبکہ صیہونیت ایک ایسے خود ساختہ فلسفے کا نام ہے جو تمام تر توسیع پسندی' شیطنت اور خود پسندی پر مبنی ہے' اور یہ ایک نازی ازم سے بھی بدتر قوم پرستانہ تحریک ہے۔ اصل میں یہ ایک بڑی منظم اور پر فریب بین الاقوامی سازش ہے جو جبر و استبداد' اذیت دہی اور فلسطینی عوام کے قتل کے ذریعے ان کی زمینیں غصب کرنے کی ذمہ دار ہے۔

اسرائیل کی جو تصویر ذرائع ابلاغ کے ذریعے پیش کی جاتی ہے وہ ایک ایسے کمزور لیکن بہادر جمہوری ملک کی ہے جو خون کے پیاسے عربوں کے غول میں گھرا ہوا ہو۔ یہ ایک صریح جھوٹ ہے۔ اسرائیل خونریزی کے ذریعے قائم ہوا ہے اور شروع ہی سے صیہونیوں نے بے بس اور امن پسند فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ صیہونیوں کو امریکی صیہونی تنظیموں کے ذریعے امداد ملتی رہی جس سے انہوں نے اسلحہ خریدا' نیز ان انگریزوں کی بھی حمایت حاصل رہی جو مینڈیٹ کے نام پر فلسطین پر قابض تھے۔

اسرائیل اپنے پڑوسی عربوں کے ساتھ مسلسل جنگوں میں مصروف رہا ہے اور چونکہ اسرائیلی تعداد میں بہت ہی کم ہیں' صیہونی اور ان کے پشت پناہ اسرائیلیوں کو عربوں کے "جالوت" کے مقابلے میں "داود" کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں عرب نہ تو متحد ہیں اور نہ ہی اسرائیل کی طرح پوری طرح مسلح' اس لئے اسرائیل سے ان کا کوئی تقابل نہیں۔

صیہونی اسرائیل کے قیام کے بعد بلکہ اس سے بھی قبل فلسطینی عوام کے خلاف ناگفتہ بہ اور ناقابل بیان جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان تمام دست درازیوں کے لئے رقوم امریکی ٹیکس دہندگان اور "یہودی" تنظیموں نے فراہم کیں۔

صیہونیوں نے بین الاقوامی قوانین اور انسانیت دونوں سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے۔ ان کے سب سے گھناونے جرائم کی ایک مثال اس وقت سامنے آئی جب ۱۹۸۲ء میں انہوں نے قاتل دوستوں' فلانجی "عیسائیوں" کو صابرہ اور شیلا کے مہاجر کیمپوں میں بھیج کر ہزاروں نہتے لوگوں کا قتل عام کرایا جن میں اکثر عورتیں اور بچے تھے۔ صیہونی بین الاقوامی قوانین کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے مقبوضہ علاقوں میں یہودی بستیاں تعمیر کر رہے ہیں اور "تورات" کی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے فلسطینی عوام کو کچلنے اور قتل کرنے میں مصروف ہیں۔

انسانی حقوق کی مختلف تنظیموں نے بغیر کسی جرم کے گرفتار کئے گئے سیاسی قیدیوں کے ساتھ ایذا رسانی' جنسی تشدد اور بدسلوکی کے لاتعداد الزامات کی تصدیق کی ہے۔ ۱۹۸۷ء میں انتفادہ کی شکل میں فلسطینی عوام جبر و استبداد کے خلاف ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس میں زیادہ تر نوجوان شامل تھے اور وہ اسرائیلی فوجی سپاہیوں پر پتھر پھینکتے جس کے جواب میں ان پر گولیاں برسائی جاتیں۔ اگر شمالی آئرلینڈ میں ایسا ہوتا تو برطانوی حکومت کو لینے کے دینے پڑ جاتے اور عین ممکن تھا کہ حکومت کو اقتدار چھوڑنا پڑتا۔ لیکن اسرائیلی حکومت کے مظالم پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ایک اطلاع کے مطابق انتفادہ کے پہلے ایک سال میں ۴۰۰ فلسطینی ہلاک اور ۲۰ ہزار زخمی ہوئے۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں اسرائیلی حکومت نے ۴۱۵ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر صحرا میں دھکیل دیا محض اس لئے کہ ان پر ایک دہشت گرد تنظیم سے ہمدردی رکھنے کا شک تھا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں اور عالمی ذرائع ابلاغ کی طرف سے اس پر سخت احتجاج کیا گیا مگر اسرائیلی حکومت نے وہی کچھ کیا جو وہ چاہتی تھی اور اس نے کسی کی پرواہ نہ کی۔

مئی ۱۹۹۳ء میں انسانی حقوق کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک پریس ریلیز جاری کیا جس میں بتایا گیا تھا کہ اس وقت تک اسرائیلی حفاظتی دستوں کے ہاتھوں ۱۰۰ فلسطینی گولی کا نشانہ بنائے جا چکے ہیں جن میں ۳۰ افراد ۱۷ برس سے کم عمر کے تھے۔ رعنا ابو تیور نام کی ایک ۱۱ سالہ لڑکی ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو دودھ لینے گھر سے نکلی اور اسے گولی مار دی گئی۔ اسی طرح ۲۰/ مارچ ۱۹۹۳ء کو ایک ۸ سالہ بچی اور ۸/ اپریل ۱۹۹۳ء کو ایک ۱۳ سالہ لڑکی موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ یہ ہے شجاعت کا پتلا' ننھا اسرائیل' جمہوریت کا ایک جزیرہ جو ظلم کے عرب سمندر میں کھڑا ہے۔ یہ سب کچھ یقیناً ایک ہولناک امر ہے مگر اس سے بھی ہولناک ایک اور بات ہے اور وہ ہے دنیا بھر کے جلاوطن یہودیوں کی انسانیت کے خلاف اس جرم میں اعانت' حالانکہ یہ طرز عمل خود یہودی مذہب کے بھی منافی ہے۔ جب آپ اسرائیل کو پیسہ دیتے ہیں تو درحقیقت فلسطینی بچوں کے قاتلوں کو آپ گولیاں فراہم کر رہے ہوتے ہیں۔ جو کوئی بھی اسرائیل کو عطیہ دیتا ہے وہ اپنے ہاتھ خون سے رنگ لیتا ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس میں جلاوطن یہودیوں کے راہنما ۱۹۴۸ء بلکہ اس سے بھی پہلے ملوث چلے آ رہے ہیں۔ صیہونی لیڈروں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ صیہونیت کی مخالفت کو یہودیوں کے خلاف تعصب کا نام دے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے۔ یہودی اس ظلم کی بنا پر فی الواقع نفرت کے مستحق ہیں' لیکن اس کے باوجود فلسطینی عوام یہودیوں سے نفرت نہیں کرتے۔ وہ صرف بنیادی انسانی حقوق' آزادی' اور انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں' اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی تالمود بھی تلقین کرتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اس ظلم کے خلاف ضرور آواز بلند کریں کیونکہ صیہونی درندگی کے خلاف جو بھی زبان کھولے گا اس کی زندگی اجیرن بنا دی جائے گی۔ غیر یہودیوں کو شاید صرف یہود دشمن کہہ کر چھوڑ دیا جائے لیکن یہودیوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے نپٹا جاتا ہے۔ لیکن آپ پر یہ بھی لازم نہیں ہے کہ آپ ایک قوم پر ہونے والے جبر و تشدد اور اس قوم کے بچوں کے قتل کئے جانے کی حمایت کریں۔ یہودیوں کو چاہئے کہ وہ اسرائیل کو روپیہ بھیجنا بند کر دیں۔ صیہونی عزائم کی تکمیل کی خاطر ہرگز رقوم جمع نہ کریں خواہ وہ عزائم کتنے ہی خوبصورت دکھائی دیں' صدقہ' خیرات ضرور دیجئے لیکن اپنے ارد گرد کے لوگوں کو۔ برطانیہ اور دوسری جگہوں پر ہزاروں غریب یہودی رہتے ہیں جو آپ کی خیرات کے مستحق ہیں۔ اسرائیلی ریاست اور اس کو کنٹرول کرنے والے قاتل قطعاً خیرات کے مستحق نہیں ہیں۔

جس وقت اس پمفلٹ کا پہلا ایڈیشن پریس جا رہا تھا' اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ایک اور جنگ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

معاشی استحصال خانہ جنگی کو جنم دیتا ہے

معاشرہ کو غربت و افلاس اور معاشی محرومیوں سے بچانے کیلئے ہمیں اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنا ہوگی

محبوب الحق عاجز

ڈی ایچ لارنس نے کہا تھا:

"انسان کبھی مساوی نہیں رہے نہ ہوں گے اگرچہ تمام انسانوں کی دو آنکھیں' ایک ناک' اور ایک منہ وغیرہ ضرور ہوتا ہے' اگرچہ ان تمام کو بھوک لگتی ہے۔ یہ پیاس بھی محسوس کرتے ہیں۔ یہ سوتے بھی ہیں' ہنستے اور روتے بسورتے بھی ہیں۔"

یہ بات یقیناً صحیح ہے۔ خاص طور پر معاشی میدان میں "کامل مساوات" کی مثال پیش کرنے سے تو پوری انسانی تاریخ قاصر ہے۔ اس لئے کہ ایسی مساوات عملاً ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ معاشرے کے تمام افراد کو خوراک' لباس' اور مکان کی ایک طرح کی سہولیات حاصل رہی ہوں' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام ملازم طبقوں کی تنخواہیں یکساں رہی ہوں' تمام تاجروں کی آمدنی میں برابری پائی گئی ہو یا تمام صنعت کاروں کی آمدنی میں فرق نہ رہا ہو۔ بلکہ ہر دور میں تھوڑا بہت معاشی تفاوت موجود رہا ہے' اور یہ تفاوت عین فطری ہے۔ اس کہ جب انسان کی دماغی صلاحیت اور جسمانی قوت کار میں فرق موجود ہے تو معاشی اعتبار سے ایک محدود فرق و امتیاز افراد کے مابین ناگزیر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں کیونکہ کارخانہ دار اور مزدور بادشاہ اور رعایا' افسر اور ماتحت جس احسن انداز میں موجودہ معاشرتی زندگی کی گاڑی کو چلا رہے ہیں وہ اسی تفریق کی بدولت ممکن ہے۔ ورنہ تو دنیا کا نظام ہی نہ چلے کہ اس سے "تو بھی رانی میں بھی رانی کون بھرے گا پانی" والی صورت پیدا ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمادیا ہے:

"ہم نے دنیا کی زندگی میں لوگوں کی معیشت کا سامان ان کے درمیان تقسیم کیا ہے اور بعض کے درجے بعض پر بلند کردیئے ہیں تاکہ یہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں" (زخرف: ۳۲)

لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں دو ایسے گروہوں کے وجود کو لازم قرار دیا جائے جو معاشی میدان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف حیثیت کے مالک ہوں' جن کے معاشی مرتبہ میں بعد المشرقین پایا جائے۔ ایک کروڑپتی سرمایہ دار ہو اور دوسرا فقر وفاقہ سے دو چار۔ ایک شاہانہ حویلیوں اور کوٹھیوں کا مالک ہو اور دوسرا سر چھپانے کے لئے جھونپڑی کا ضرورت مند۔ ایک زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے بہرہ مند ہو اور دوسرا ہر قسم کی بنیادی انسانی احتیاجات سے محروم! بلاشک "ناگزیر معاشی فرق" سے مراد ایسا تفاوت ہرگز نہیں ہے۔

قارئین! آیئے اپنے معاشرہ کے حوالے سے جائزہ لیں کہ "لازمی معاشی فرق" سے ہمارے ہاں کیا چیز مراد لی جاتی ہے۔ یعنی ہمارا اجتماعی عملی جواب کیا ہے؟ اس کا جواب ہمیں اس جملے میں مل جاتا ہے جو ہم بارہا بعض مترفین کی زبان سے سنتے ہیں یعنی "فلاں کے لئے تو ایک ہزار روپے بھی کافی ہیں لیکن میرا گزارہ تو دس ہزار سے بھی نہیں ہوتا۔" اور پھر اس کے ثبوت میں بالعموم کچھ اس طرح کی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ "میرا خرچ زیادہ ہے۔ مجھے ٹیلی فون کا بل ادا کرنا پڑتا ہے۔ گاڑی کے ڈیزل و پٹرول کے پیسے برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کی بھاری فیسیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ بجلی کا بھاری بھرکم بل ادا کرنا ہوتا ہے وغیرہ"۔

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کی کفالت کے لئے ایک ہزار کافی قرار دیتے ہیں لیکن اپنے لئے دس ہزار بھی ناکافی سمجھتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہماری بنیادی ضروریات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور دوسروں کا نہایت محدود۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ذاتی گاڑی' فریج' ٹی وی' ڈش واشنگ مشین اور اس طرح کی دوسری ان گنت چیزیں ہماری بنیادی ضروریات قرار پاتی ہیں لیکن دوسروں کو ہم روکھی سوکھی روٹی اور مکان وغیرہ کا حق دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اعلیٰ درجے کے پرائیویٹ سکول اور اندرون و بیرون یونیورسٹیاں ناگزیر خیال کرتے ہیں اور دوسروں کے بچوں کے لئے کھلے آسمان تلے تعلیم کو کافی قرار دیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہماری بیٹیوں کی شادیوں پر لاکھوں بے جا اڑا دیئے جاتے ہیں اور غریب کی بیٹیاں معاشی مسئلے کی وجہ سے اپنی جوانیاں بن سہاگ کے گزار دیتی ہیں۔

ہمارے اس سماجی طرز عمل کو کیا نام دیا جائے۔ کیا اسے بھائی چارا کا نام دیا جائے؟ یقیناً نہیں' اس لئے کہ ہم بھائی تو ضرور ہیں لیکن مثل برادران یوسف کے۔ بے شک ہم مسلمان ہیں لیکن یہ طرز عمل "مسلمانی" نہیں ہے۔ مسلمان تو وہ انصار مدینہ تھے جنہوں نے مہاجرین مکہ کے لئے ایثار و قربانی کی لازوال مثالیں قائم کی تھیں وہ انصار کہ جنہوں نے مہاجرین کو اپنا بھائی قرار دیا تھا' انہیں ہر قسم کی مالی امداد بہم پہنچائی تھی' نہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کیا تھا' انہیں بہتر زندگی گزارنے کے قابل بنایا تھا۔ یہ تھی اخوت اور یہ تھی مسلمانی! پھر ہمارا طرز عمل..... یقیناً ظلم ہے' استحصال ہے' جبر ہے' استبداد ہے' حق تلفی ہے' ناانصافی ہے اور معاشی قتل ہے۔

ہمارے ہاں ایک دولت مند تاجر اپنے سیلز مین کو' ایک کروڑپتی کارخانہ دار مزدور کو' ایک صاحب حیثیت "حویلیا" (مالک مکان) اپنے ملازم کو' ایک بڑی فرم کا مالک سرمایہ دار اپنے ماتحتوں کو ہزار ڈیڑھ ہزار روپے معاوضہ دیتا ہے' کیا اس اجرت سے اس ملازم کی "بنیادی" ضروریات پوری ہو جاتی ہیں؟ اس کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے؟ ان کے علاج معالجہ کا خرچ نکل سکتا ہے؟ ان کی رہائش ولباس اور دوسری ضروریات کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ ذرا سوچئے اور ٹھنڈے دل سے سوچئے' اپنی بڑائی کے بت توڑ کر سوچئے کہ یہ بت اکثر و بیشتر صحیح سننے' صحیح بولنے' صحیح دیکھنے اور صحیح سوچنے میں مانع ہوتے ہیں اور جواب دیجئے۔ یقیناً ہم میں سے جس کا دل کچھ بھی زندہ ہے جس کی فطرت ذرہ بھر بھی سلیم ہے' جس میں انصاف

پسندی کی ہلکی سے رمق بھی موجود ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ تو پھر مترفین کے طرز عمل کو سوائے "استحصال" کے اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرہ میں جو بھوک وافلاس عام ہے' غریب کا جو گھر چراغوں سے محروم ہے' جو معصوم نونہالان قوم تعلیم سے بہرہ مند نہیں ہیں اس میں یقیناً بنیادی کردار تو ظالمانہ سیاسی نظام کا ہے لیکن اس میں بہت بڑا حصہ ہمارے منفی رویوں' پست سوچ' غلط طرز عمل اور دوہرے معیارات کا ہے۔ ہماری قارونی ذہنیت کا ہے۔ ہم سب اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں اور یوں پورا سماج "استحصالی" بن چکا ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرہ کو فقر و احتیاج' غربت و افلاس اور معاشی محرومیوں سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہوگا' اپنے رویہ پر نظرثانی کرنا ہوگی' قارونی اور ساہوکارانہ ذہنیت کو بدلنا ہوگا۔ یقین کیجئے کہ اگر ہم اپنے طرز عمل کی اصلاح کرکے دوہرے معیارات کو ذہنوں سے نکال کر فرمان نبویؐ کے مطابق دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کریں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور اپنے ماتحتوں کو مناسب معاوضہ دینے پر تیار ہوجائیں تو غربت کا مکمل نہ سہی کچھ تو ازالہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس سے غربت ہی نہیں جرائم کی شرح بھی کم ہو جائے گی۔ انتشار و بے چینی ختم ہو جائے گی' جنسی انارکی کا خاتمہ ہو جائے گا' بدامنی اور لاقانونیت کا ریلا تھم جائے گا' چوری و ڈاکہ کی وارداتیں کم ہو جائیں گی' رشوت کا خاتمہ ہو جائے گا' سفارش کی ضرورت نہ رہے گی' جھوٹ' فریب اور دھوکہ دہی کا سلسلہ رک جائے گا' معاشی محرومیاں ختم ہو جائیں گی اور ہم خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کرنے لگیں گے۔

لیکن اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر وہ دھویں والا انقلاب آئے گا کہ جس میں جہاں ایک طرف غریب مریں گے وہاں امیروں کو بھی نیست ونابود ہونا پڑے گا۔ پھر وہ Class War شروع ہو جائے گی' جس میں مترفین کی نہ جائیں محفوظ رہیں گی نہ اموال ومتاع بچیں گے۔ ان کے گھربار اور اثاثے زبردستی ہتھیالئے جائیں گے۔ ان کے منہ سے نوالے چھین لئے جائیں گے۔ ان کے پیٹ چاک کردیئے جائیں گے' ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرلیا جائے گا۔ خاک و خون کے دریا بہہ جائیں گے اور استحصالیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی کہ ع

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

اقبالؒ کا دیس!

ملک عطا محمد جنجوعہ

دہقان تو مر کھپ بھی گیا کس کو جگاؤں اگتا ہی نہیں خوشہ گندم کہ جلاؤں
شاہیں کا ہے گنبد شاہی پہ بسیرا کنجشک فرومایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

ہر داڑھی میں تنکا ہے ہر اک آنکھ میں شہتیر مومن کی نگاہوں سے بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلواروں سے خالی ہیں نیامیں کٹتی نہیں اب ذوق یقیں سے کوئی زنجیر
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

تھامے ہوئے اب ہم بھی ہیں فولاد کی تلوار ٹوٹی ہے مگر فقر کی شمشیر جگر دار
قرآں بھی وہی ہے وہی یٰسین وہی طٰہٰ لیکن کوئی خالدؓ ہے نہ ہے حیدر کرارؓ
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

شاہیں کا جہاں آج نوالے کا جہاں ہے ملتی ہوئی ملا سے مجاہد کی اذاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور شاہین میں اب طاقت پرواز کہاں ہے
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

حق گوئی و بیباکی سے شرماتا ہے مومن مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو وہ رزق بڑے شوق سے کھا جاتا ہے مومن
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

مرمر کی سلوں سے کوئی بیزار نہیں ہے رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر اک شخص مسلمان ہے لیکن بے داغ کسی شخص کا کردار نہیں ہے
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

محمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے سلطانی جمہور سے جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامان جو ہو کوئی خودی کا مرمر کے جئے ہے کبھی جی جی کے مرے ہے
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

دیکھو تو ذرا محلوں کے پردے کو اٹھا کر شمشیر و سناں رکھے ہیں طاقوں میں سجا کر
آتے ہیں نظر مسند شاہی پہ طبلچی! تقدیر امم بیٹھی ہے طاؤس پہ آ کر
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن قائل نہیں اس طرح کے جنجال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں اقبالؒ کا مومن
اقبالؒ کے اس دیس کا کیا حال سناؤں

بقیہ : مکتوب امریکہ

التقلید ہیں؟ کیا وہ نظریات دین اسلام کی صحیح طور پر عکاسی کرتے ہیں؟ یہ سوالات یقیناً اہم ہیں کیونکہ اگر شیخ عمر معتبر اسلامی تصورات کی ترویج کر رہے ہیں تو پھر یہ مقدمہ شیخ عمر کا نہیں بلکہ دین اسلام کا مقدمہ ہے۔ ارکان جیوری جنہیں شیخ عمر کے معصوم یا مجرم ہونے سے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنا تھا۔ اس بات کے یقیناً مستحق تھے کہ انہیں شیخ عمر کی مذہبی تعلیمات کے حوالے سے یہ موقع فراہم کیا جاتا کہ وہ یہ جان سکتے کہ شیخ کے خیالات کس حد تک معتبر اور قابل تقلید ہیں۔ اگر مجھے شیخ عمر کے نظریات پر جیوری کی طرف سے اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت ملتی تو ارکان جیوری مجھے بہت سے معاملات میں شیخ عمر سے اختلاف کرتے ہوئے پاتے۔ لیکن جہاں تک استبداد کے خلاف اسلامی نظریات کا تعلق ہے تو وہ مجھے بلا تردد شیخ عمر عبدالرحمٰن کی مطابقت میں پاتے۔ حد یہ ہے کہ ارکان جیوری کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ میرے یا مجھ جیسے دیگر حضرات کے خیالات کا جائزہ لیتے جو اس معاملہ میں رائے دینے کے مجاز تھے۔ علمائے دین اسلام میں سے کسی کو بھی بحیثیت عالم اس مقدمہ میں شہادت دینے یا تصدیق و استدلال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی میں بذات خود اس مقدمہ کی سماعت کے دوران موجود تھا اور میں نے اس اجتماع میں تقریر کرنے کا ثبوت بھی مہیا کیا جس اجتماع سے شیخ عمر مخاطب ہوئے تھے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وکیل صفائی اور سرکاری وکیل دونوں ہی دین اسلام یا شیخ عمر کے مذہبی نظریات کے بارے میں سوالات کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ میں اس پر حیرت ہی کا اظہار کر سکتا ہوں۔

تاہم مجھے امید ہے کہ میرا یہ خط اس مقدمہ کے ایک واضح نقص کو اجاگر کر کے اس ضمن میں صحیح معلومات بہم پہنچائے گا۔

فقط عمران این حسین
ڈائریکٹر اسلامک سٹڈیز
مسجد دار القرآن لانگ آئی لینڈ' نیویارک

بقیہ : تذکرہ یہود بزبان یہود

چھیڑنے کی تیاری کر رہا تھا' اس دفعہ اس نے لبنان پر جارحانہ حملہ کر کے جنگ کا جواز فراہم کیا۔ جس سے پانچ لاکھ کے قریب انسانوں کو اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ اس حملے کے لئے وہی گھسا پٹا جواز پیش کیا گیا جو ہمیشہ پیش کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ عرب دہشت گردوں کی طرف سے اسرائیل کی سلامتی کو خطرہ لاحق تھا اور یہ کہ ایک اور "ہالوکاسٹ" سے بچنے کے لئے عربوں کا صفایا کرنا ضروری ہے۔ لیکن جس شخص پر نازی "استیصالی کیمپوں" میں یہودیوں کے قتل کا الزام تھا' اسرائیلی حکومت نے اسے سات سال تک قید میں رکھنے کے بعد بالآخر بری کر دیا۔ یہ ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کو ختم ہوئے پچاس سال ہو چکے ہیں لیکن صیہونی راہنماؤں کا نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی نسل کشی کا غم ختم ہونے کو نہیں آ رہا۔ ان کی ساری توانائی اس پر صرف ہو رہی ہے کہ کہیں ان کے ساتھ دوبارہ وہی کچھ نہ ہو جائے لیکن ساتھ ہی خود اسی جرم کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک کسی یہودی کو اگر کوئی تکلیف پہنچے یا اسے قتل کیا جائے تو یہ جرم ہے' غیر یہودی کا قتل یا ایذا رسانی کوئی جرم نہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ کی سوچ ایسی نہیں ہے' لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اسرائیل کو عطیات بھیجنا بند کر دیں اور ان بدمعاش قاتلوں کی اخلاقی امداد نہ کریں جو اس فسطائی ریاست کو کنٹرول کرتے ہیں' ان کے ہاتھ خون سے رنگین ہیں اگر آپ مکمل طور پر ان سے تعلق منقطع نہیں کریں گے تو بلواسطہ طور پر آپ بھی اپنے ہاتھ خون سے رنگ لیں گے۔

بقیہ : نقطہ نظر

یقیناً آئندہ چند سالوں میں وہ امت مسلمہ کی مقبول ترین تحریک ثابت ہوگی اور مسلم عوام کا بھرپور عملی تعاون اس کے ساتھ ہوگا۔

جناب قاضی حسین احمد کو بے نظیر اور نواز شریف کے دائروں سے نکل جانا چاہئے' بے نظیر کی حکومت کا خاتمہ' یہ کسی دینی تحریک کا بہت ہی چھوٹا ہدف ہے بلکہ یہ تو کوئی ہدف ہی نہیں ہے۔ بے نظیر آج نہیں تو کل ضرور جائے گی' اس کے اعمال اور افعال اس کو جلد لے ڈوبیں گے۔ ملک کی معاشی صورتحال اور مرتضیٰ بھٹو کی ہلاکت سے اب وہ چند دن بھی سیاسی طور پر زندہ نہیں رہ سکیں گی اس لئے قاضی حسین احمد کا دھرنا یا احتجاجی تحریک' بے نظیر سے گلو خلاصی یا موجودہ اداروں کے ذریعہ احتساب' نئی مردم شماری اور نئے انتخابات وغیرہ کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔ ان چھوٹے مقاصد کی خاطر' مخلص اور مجاہد کارکنوں کا خون ضائع نہیں کرنا چاہئے اور اپنی توانائیاں ان بے مقصد کاموں پر خرچ نہیں کرنا چاہئیں بلکہ قاضی حسین احمد صاحب کو واضح طور پر ایک اسلامی نظام کے قیام کے لئے انقلابی جدوجہد کا ٹارگٹ دینا چاہئے اور عوام کو اس بلند نصب العین کے لئے مرحلہ بمرحلہ تیار کرنا چاہئے۔ پاکستان کے عوام کسی ایسے رہبر کے منتظر ہیں جو ان کو ظالمانہ نظام اور منافق سیاستدانوں سے نجات دلائے۔

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

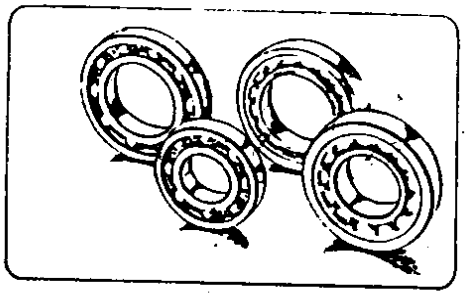

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730583
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-85, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723356-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210807

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

مجلّہ "الدعوہ" کے مدیر کے نام جناب شاہد اسلم کا ایک کھلا خط

جو مدیر موصوف کی تازہ ہرزہ سرائی کے جواب میں ہے

محترم امیر حمزہ صاحب (مدیر مجلّہ الدعوہ) السلام علیکم

مجلّہ "الدعوۃ" (ماہ اکتوبر ۹۶ء) میرے سامنے پڑا ہے جس کے آخری صفحات پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ظہور مہدی کے اعلان کو اجاگر کیا گیا ہے۔

محترم ایک عرصہ سے آپ کا انداز تحریر میرے دل میں ہلچل مچاتا رہا ہے' میں اپنے قلم کی سیاہی تو ان فاسقوں اور اللہ کے قانون کے باغیوں کے چہروں پر ملنا چاہتا تھا جو ملک پاکستان پر اللہ کی حاکمیت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں مگر آپ جناب کی تحریروں نے مجھے مجبور کیا کہ اپنے قلم کی سیاہی بہ کراہت آپ کے جواب میں ضائع کروں۔

جناب امیر حمزہ صاحب! محسوس ہوتا ہے قرآن و حدیث کی پابندی آپ صرف دوسروں سے ہی کروانا چاہتے ہیں اور خود ہر طرح کی آزادی سے مستفید ہونا پسند فرماتے ہیں۔ سورۃ الحجرات (آیت ۵-۶) میں رب کائنات کا ارشاد ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو "اس کی تحقیق" کر لیا کرو' (ایسا نہ ہو) کہ نادانی سے کسی قوم پر جا چڑھو پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے"۔

اخبارات کے متعلق بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ اپنی اشاعت کو زیادہ کرنے کے لئے (بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے) خبر کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر پیش کرتے ہیں اور آپ ایک دیندار صحافی ہونے کے باوجود اخبارات ہی کی بنیاد پر ایک خادم دین پر کیچڑ اچھال دیتے ہیں۔ کیا یہ حدیث آپ کی نگاہ سے نہیں گزری کہ "کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو آگے کہہ دے"۔ آپ سے تو ضیاء شاہد (ایڈیٹر روزنامہ "خبریں") بہتر ہے جس نے لاہور سے راولپنڈی فون کر کے ڈاکٹر صاحب سے بیان کی وضاحت کر لی اور آپ لاہور میں ہوتے ہوئے فون کی زحمت گوارا کئے بغیر قلم کا تیشہ بنا کر اپنی اشاعت میں اضافہ کرنے بیٹھ گئے۔

اب آپ کی تحریر کے مطابق کچھ عرض کر رہا ہوں۔ برصغیر میں بڑے بڑے مجددوں کے حوالے سے آپ نے درست لکھا ہے اور یہ بھی کہ عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جن میں مودودیؒ' اقبالؒ اور مولانا الیاسؒ بھی ہیں مگر ڈاکٹر اسرار جب ترتیب سے بتاتے ہیں تو احمد سرہندیؒ' شاہ ولی اللہؒ' سید احمد بریلویؒ' شاہ اسماعیل شہیدؒ' شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں اور عرب کے حوالے سے شیخ عبدالوہابؒ کے مجدد ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ جس جمعہ کے خطاب کی خبر پڑھ کر آپ نے کلہاڑا چلایا ہے اس کی کیسٹ سن لیتے تو کتنا بہتر تھا۔ اور پھر آگے جا کر آپ نے علامہ اقبال کے بارے میں کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسے مجدد کہتے ہیں جس کی داڑھی نہیں تھی۔ حالانکہ آپ اگر محترم ڈاکٹر صاحب کے رویئے کو مدنظر رکھتے ہوتے تو یہ اشکال پیدا نہ ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب جہاں ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ برصغیر میں فکر اسلامی کی تجدید کا کام علامہ اقبال نے کیا وہاں دوسری طرف ان کے عملی تساہل کے اعتراف میں ان کے لئے "رحمتہ اللہ علیہ" کے کلمات استعمال کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے کہ یہ دعائیہ کلمہ ان رجال دین اور اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے جو فکر و عمل دونوں اعتبارات سے مسلمانوں کے لئے قابل تقلید ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کوئی پیشہ ور مولوی نہیں جو سٹیج پر تو شعر پڑھتے ہوں اقبال کا اور نجی محفلوں میں اس کے مسلمان ہونے پر بھی شک کا اظہار کرتے ہوں۔ تاہم آپ حضرات ذرا اپنے طرز عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ علامہ احسان الٰہی شہیدؒ نے ساری عمر داڑھی مسنون نہیں رکھی مگر وہ پورے اہلحدیث قوم کے لئے شہید ملت ہیں' حالانکہ کئی دفعہ لوگوں نے انہیں احساس بھی دلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا' اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔

ڈاکٹر صاحب مودودی صاحب اور ان کی فکر کا دم بھرتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے مگر جو اختلاف ہے اسے بھی برملا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے انقلابی راستہ چھوڑ کر انتخابی بھول بھلیاں اختیار کر لیں۔ نیز انہیں مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے شدید اختلاف ہے۔ اسی طرح مولانا الیاسؒ کی مثبت مساعی کو ڈاکٹر صاحب ہمیشہ سراہتے ہیں اور تبلیغی جماعت کے موجودہ کام میں جو کمی ہے اسے بھی وہ واضح کرتے ہیں۔ مگر جس انداز سے آپ انہیں "تبلیغیا" کہہ کر اپنے غیر مقلد اور ان کے مقلد ہونے کا ابال نکالتے ہیں وہ آپ ہی کو زیب دیتا ہے کیونکہ مسلمان "حقیقی گروپ" تو بزعم خویش صرف آپ ہی ہیں۔

آپ نے ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال کہ وہ حالات پیدا ہو چکے ہیں جن میں حضرت مہدی عرب مسلمانوں کی قیادت کریں گے' درست نہیں ہے کیونکہ اس سے بدتر حالات قرامطہ اور چنگیز وغیرہ کے زمانہ میں تھے۔ عرض ہے کہ جیسا کہ آپ مرکز الدعوہ کے پلیٹ فارم سے یہ حدیث عام کر رہے ہیں کہ

"میری امت کے دو گروہوں پر جہنم کی آگ حرام ہے ایک جو ہند پر حملہ کرے گا اور دوسرا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے گا"۔

اور آپ اس حدیث کو آج اس لئے عام کر رہے ہیں کہ چونکہ آپ ماشاء اللہ کشمیر میں برسرپیکار ہیں' اس ضمن میں عرض ہے کہ کیا اس حدیث کے مصداق محمد بن قاسمؒ' غزنویؒ' غوری قرار نہیں دیئے جا سکتے کہ انہوں نے تو ہند پر اس وقت حملہ کیا تھا جب یہاں خالص کفر و شرک تھا۔ اب تو پاکستان سے زیادہ مسلمان وہاں رہ رہے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی عائلی قانون کی آزادی ہے جو کہ ہمارے نام نہاد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نہیں۔ اگر آپ اس حدیث کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ آج کے دور کے لئے حضورؐ کا فرمان تھا' اور ان احادیث کی روشنی میں جو قرب قیامت یا امام مہدی کے متعلق ہیں اگر ڈاکٹر صاحب یہ رائے قائم کریں کہ یہ دور اب آیا چاہتا ہے تو آپ اس پر اس درجے مشتعل کیوں ہوتے ہیں۔ آپ کے تولنے کے باٹ اپنے لئے کچھ اور ہیں اور دوسروں کے لئے کچھ اور۔ آپ کو اور ہر دوسرے شخص کو پورا پورا حق ہے کہ ڈاکٹر اسرار کی رائے کو نہ مانیں اس لئے کہ یہ کوئی نبی تو نہیں' رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ تاہم اختلاف کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں!!!

آپ نے جوام المحارب خلیج کی جنگ کے حوالے سے فرمایا ہے کہ دنیا میں کوئی ذرا سی بات ہوتی ہے تو ڈاکٹر صاحب کو دنیا کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ محترم! ڈاکٹر صاحب صرف مایوسی کی ہی بات نہیں کرتے بلکہ وہ احادیث کی روشنی میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حالات جتنے بھی خراب ہوں' ان شاء اللہ بالآخر غلبہ اسلام ہی کا ہو گا جس کے لئے ہمیں سخت جدوجہد کرنی ہو گی اور جانوں کی قربانیاں دینا ہوں گی۔ آپ کا یہ الزام نجانے کس بنیاد پر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ "جہاد چھوڑ دو ہم کفر کے غلبے سے نہیں نکل سکیں گے"۔ امیر حمزہ صاحب' آپ کو اللہ سے استغفار کرنا چاہئے کہ کسی شخص سے ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہیں کہی' آپ خوب جانتے ہیں کہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ رہا ڈاکٹر صاحب کا حالات کا تجزیہ تو آیئے اس کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے سندھ کے مسئلے پر اس وقت تشویش کا اظہار شروع کیا جب کہ باقی سب لوگ اسے ٹھیک کہتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار نے اس وقت یعنی ۸۳ء میں کہا کہ میں سندھ میں خون کی بارش محسوس کرتا ہوں۔ بشمول مدیر تکبیر صلاح الدین مرحوم مغفور کے قریباً تمام سیاسی و مذہبی زعماء نے ڈاکٹر اسرار کا مذاق اڑایا کہ تم کیا پراسرار باتیں کرتے ہو' حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ سندھ پر سیمینار کروایا تب بھی مذاق اڑایا گیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ڈاکٹر اسرار کی بات ٹھیک تھی۔ ایسے ہی ۱۹۷۷ء کی تحریک کا معاملہ تھا۔ اب آپ اس پر جگت کر سکتے ہیں کہ یہ کوئی نبی ہے جسے پہلے وحی سے علم ہو گیا۔ ہاں نبی تو نہیں مگر نبی آخر الزماں کا قول ہے کہ "مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ پھر اسی نبی آخر الزمان کا فرمان ہے کہ نبوت ختم ہے مگر سچے خواب یا الہام کا سلسلہ جاری ہے' جو کہ دوسروں کے لئے تو اگرچہ حجت نہیں مگر اس شخص کے لئے راہنمائی ضرور ہے۔ میں ان دونوں احادیث سے بھی پہلے عرض کروں گا کہ اگر کوئی شخص قرآن و احادیث کی روشنی میں لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ لوگو اپنے اعمال کو درست کر لو ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو گے تو کیا یہ غلط ہے؟ کیا قرآن یہ نہیں بتاتا "ولنذیقنھم من العذاب الادنی ...." کیا کسی آندھی یا طوفان کے وقت نبی اکرم ﷺ مسجد میں آکر استغفار نہیں کرتے تھے کہ مبادا کہیں عذاب الٰہی یا قیامت قریب نہ آ گئے ہوں۔ اور کیا ہر دور میں صلحاء امت لوگوں کو خبردار نہیں کرتے رہے؟ اور اگر اللہ نے کسی کو حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت دی ہے تو کیا اس کا دیانتدارانہ استعمال کفر ہے؟

رہی آپ کی یہ بات کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے نجانے یہ پانچ ادوار کا فلسفہ کہاں سے لیا؟ اس معاملے میں آپ کے طرز عمل پر افسوس ہوتا ہے کہ آپ خود کو جارحانہ صحافی ثابت کرنے میں اتنے جری ہو گئے ہیں کہ بغیر تحقیق کے لکھ دیا کہ پانچ ادوار کا ذکر کسی حدیث میں نہیں آیا (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) - یہ مسند احمد کی حدیث ہے اور اسے متعدد محدثین نے نقل کیا ہے۔ (یہ حدیث اسی صفحے پر درج کی جا رہی ہے)

ہاں آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ محدث اعظم بن کر اسے ضعیف قرار دے دیں اس لئے کہ یہ آپ حضرات کا وطیرہ ہے کہ جو حدیث آپ کے حق میں ہو وہ قوی قرار پاتی ہے اور جو آپ کے موقف سے متصادم ہو وہ ضعیف سمجھی جاتی ہے۔ استغفراللہ من ذلک! حالانکہ محدث دوراں ناصر الدین البانی صاحب نے اسے سلسلہ الاحادیث الصحیحہ میں نمبر ۵ پر لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

مہدی کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار کی باتوں کا تجزیہ آپ نے جن احادیث کی روشنی میں کیا ہے اسے پڑھ کر آپ کے صحافیانہ فہم پر ترس آتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار نے اپنے خطبہ جمعہ میں جن احادیث کا حوالہ دیا ہے اولاً آپ انہی کو نقل کر کے ڈاکٹر صاحب کو سنا رہے ہیں۔ گویا یہ احادیث ان کے علم میں نہیں ہیں اور آپ مہدی کی اصل حقیقت ان پر آج منکشف کر رہے ہیں' ثانیاً آپ نے ڈاکٹر صاحب پر طنز کے طور پر جو الزام لگایا ہے کہ وہ خود مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہیں اس کی نفی ان احادیث کے ذریعے ہو جاتی ہے' اس لئے کہ ان احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ حضرت مہدی کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہو گا اور نسلاً عرب ہوں گے اور حضرت فاطمہ ؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ مگر آپ تو محترم ڈاکٹر صاحب کی ہجو گوئی اور ان پر الزام تراشی میں تمام اخلاقی حدود پھلانگ گئے اور بڑے طمطراق سے یہ لکھ دیا:

> "ڈاکٹر صاحب بے شک یہ کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور عرب ہی سے ہو گا مگر جب اسرار کے پردوں سے (اللہ نہ کرے) وہ خود کو برآمد کریں گے تو لفظ عرب کی تاویل بھی کی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب عربی جانتے ہیں لہٰذا وہ عرب ہیں اور مہدی بن کر آ گئے ہیں"۔ نعوذ باللہ من ذلک

امیر حمزہ صاحب' آپ کی ہرزہ سرائی کا واقعی کوئی جواب نہیں! یہ بات آپ جیسا عالی مقام شخص ہی کہہ

امت کے پانچ ادوار کے ذکر پر مشتمل حدیث کا متن اور سند

حَدَّثَنا سليمانُ بنُ دَاوُدَ الطَّيالِسِيُّ حدَّثني داودُ بنُ إبراهيمَ الوَاسِطِيُّ حدَّثني حَبِيبُ بنُ سالمٍ عنِ النُّعمانِ بنِ بَشيرٍ قال كنَّا قُعودًا في المسجدِ معَ رسولِ اللهِ ﷺ وكانَ بَشيرٌ رجُلاً يَكُفُّ حَديثَهُ فَجاءَ أبو ثَعْلَبَةَ الخُشَنِيُّ فقال يا بَشيرُ بنَ سعدٍ أَتَحْفَظُ حَديثَ رسولِ اللهِ ﷺ في الأُمراءِ فقال حُذَيفةُ أَنا أَحفَظُ خُطبَتَهُ فجلسَ أبو ثَعلبةَ فقال حُذيفةُ قال رسولُ اللهِ ﷺ : ((**تكونُ النُّبوَّةُ فيكم ما شاءَ اللهُ أن تكونَ، ثمَّ يَرفَعُها إذا شاءَ أن يرفعَها ثمَّ تكونُ خلافةٌ على مِنهاجِ النُّبوةِ فتكونُ ما شاءَ اللهُ أن تكونَ، ثمَّ يَرفعُها إذا شاءَ اللهُ أن يَرفعَها ثمَّ تكونُ مُلكًا عَاضًّا فيكونُ ما شاءَ اللهُ أن يكونَ، ثمَّ يَرفعُها، إذا شاءَ أن يرفعَها، ثمَّ تكونُ مُلكًا جَبريَّةً فتكونُ ما شاءَ اللهُ أن تكونَ، ثمَّ يرفعُها إذا شاءَ أن يرفعَها، ثمَّ تكونُ خِلافةً على مِنهاجِ النُّبوَّةِ، ثمَّ سَكتَ**)).

(مسند أحمد ، حديث ١٧٦٨٠)

سکتا تھا۔ ہاں اگر خدانخواستہ ایسا ہوا کہ غلام احمد آنجہانی کی طرح ڈاکٹر اسرار کا دماغ پھر گیا تو اس وقت آپ ضرور ثناء اللہ امرتسری بننے کا شوق پورا کر لیجئے گا۔ لیکن آج کل آپ کس دلیل سے فتوے جاری کر رہے ہیں۔ جناب' حدیث میں حضرت مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہے اور محترم ڈاکٹر اسرار صاحب کا نام اسرار احمد بن مختار احمد ہے۔ چلیں عربی ہونے کی توجیہہ تو کوئی اگر کر بھی لے' یہ نام کو بدل لینا کیسے ممکن ہے؟ شاید لوگ عقل سے اتنے عاری ہو جائیں گے کہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ نام کچھ ہے اور نسل کوئی اور ہے' پھر بھی انہیں مہدی مان لیں۔ پھر تو قصور ان لوگوں کا ہو گا ڈاکٹر اسرار کا نہیں' کہ جو آپ کی طرح بغیر تحقیق کے اخبار کی بات کو سچ مان کر دوڑ پڑیں گے۔

خانہ کعبہ پر جن لوگوں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور سعودی خاندانی حکومت کو ختم کر کے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کی تھی' میرے خیال میں کسی نے اپنے آپ کو مہدی نہیں کہا تھا۔ اس میں تمام مسلمان ملکوں کے صالح نوجوان تھے حتیٰ کہ حیدر آباد سندھ کے مشہور اہل حدیث عالم دین بدیع الدین راشدی پیر جھنڈا کے بیٹے بھی ان میں شامل تھے۔ ان کا معاملہ اللہ کی عدالت میں پہنچ چکا ہے' آپ ان پر طعن کر کے گناہ کیوں مول لیتے ہیں۔ محترم' آپ نے خود اپنی تحریر کو خود بھی احادیث کی روشنی میں غلط ثابت کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو "پرخلوص" مشورہ دیا ہے کہ وہ جہاد کا راستہ اختیار کریں اور شاہینوں کے شانہ بشانہ لڑیں نہ کہ انہیں ترک جہاد کا مشورہ دیں۔ آپ کا کہا سر آنکھوں پر' ڈاکٹر اسرار احمد قرآن کا طالب علم ہے' وہ جانتا ہے کہ جہاد اور قتال میں کیا فرق ہے' الحمدللہ جہاد تو وہ بھرپور انداز میں کر رہا ہے' شریعت کے احکامات کو اپنے اور اہل و عیال اور ساتھیوں پر حتی المقدور لاگو کر رہا ہے' اسی لئے تو نئی وی پر درس قرآن دینے سے اسے روکا گیا' ماڈرن خواتین اور نام نہاد روشن خیال دانشور حضرات کے طعنے سہے' جھنڈے کی سلامی کو باطل کہا' لڑکیوں کے کھیل کوٹی پر دکھانے پر تنقید کی' سود کے خلاف مظاہرہ کئے' ڈاکٹر اسرار کے نزدیک جہاد اپنے نفس' باطل معاشرے اور باطل نظام کے خلاف پنجہ آزمائی کے مرحلوں سے گزرتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی ذات دین سے کوسوں دور ہو' ملک میں ایک بھی شق اسلام کی نافذ نہ ہو اور قتال کی منزلوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جائے۔

محترم' نبی ﷺ نے مدینہ جا کر اس بستی کی سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں لی تھی' پھر کفار کے خلاف جنگ شروع کی تھی۔ اگر پاور عبداللہ بن ابی کے ہاتھ میں ہوتی تو کیا کفار مکہ سے کھل کر جنگ کی جا سکتی تھی؟ جو عبداللہ بن ابی احد میں اپنی نفری الگ کر سکتا ہے وہ اگر پاور میں ہوتا تو مسلمانوں کو کیسے لڑنے دیتا کہ جس نے یہود کی حمایت میں حضور ﷺ کا گریباں پکڑ لیا تھا۔ دوست' آج ہم کفار سے لڑنا چاہتے ہیں مگر کس بنیاد پر اور کس پلیٹ فارم سے؟ پاکستان سے؟ جہاں اسلام غالب نہیں مغلوب ہے! یہاں عبداللہ بن ابی جیسے کردار برسراقتدار ہیں۔ اگر ان کی مصلحت کو ٹھیس پہنچے گی تو وہ ساری جیتی ہوئی بازی' نوجوانوں کی شہادتیں' کشمیر میں لٹتی ہوئی عزتیں' یہ سب دشمن کے سامنے ہار دیں گے۔ یہی افغانستان میں ہوا اور اندیشہ ہے کہ یہی کچھ یہاں دہرایا جائے گا۔ کیا آپ کے پاس قوت ہے کہ یہاں اسلام کے قوانین کا نفاذ کر سکیں۔ یہاں حالت تو یہ کہ حکومت اسلحہ پر پابندی لگا دے تو شاہینوں کو اسلحہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ ڈاکٹر اسرار بھی جہاد میں مصروف ہے' ہاں وہ بنیاد بنانے کی کوشش کر رہا ہے اور ان شاء اللہ جیسے آج شریعت کی پابندی اس نے گھر سے شروع کی' عمل کر کے دکھایا' جب وقت آئے گا تو ڈاکٹر اسرار آگے ہو گا اور پہلے اپنا خون دے گا۔ پھر وہ صرف پیچھے رہ کر شہیدوں کی غائبانہ جنازہ پڑھا کر ہی ثواب دارین حاصل نہیں کرے گا۔ دوست' ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک دوسرے کو قریب آ کر سمجھا جائے اور افہام و تفہیم کی راہ اپنائی جائے لیکن اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ آپ کے امیر محترم حافظ سعید صاحب کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے سالانہ اجتماع پر بلا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے موقعہ دیا کہ وہ کھل کر انقلاب نبوی ﷺ کا طریقہ بیان کریں۔ ذرا آپ بھی کبھی اس شخص کو جسے آپ پراسرار ڈاکٹر کہتے ہیں اپنے ساتھیوں کے سامنے موقع دیں کہ وہ گفتگو کریں' ہاں اگر وہ قرآن و حدیث سے باہر بات کریں تو بے شک سٹیج سے روک دیں۔

ڈاکٹر اسرار خوابوں اور خیالوں کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اس کی حقائق پر مبنی باتیں ہوتی ہیں جن کا سامنا عام زعماء کے بس کا نہیں۔ اسلام صرف جذباتیت ہی نہیں حکمت و عقل بھی سکھاتا ہے۔ اگر ہربات کا حل جنگ ہی تھا تو حضورؐ نے مکہ میں جنگ شروع کیوں نہ کر دی۔ ۱۳ سال میں بت کیوں نہ توڑے اور یوم طائف سے واپسی پر ایک مشرک کو حلیف بنا کر مکے میں داخل ہونا کیسے منظور کیا؟ ہر مسئلے کا حل صرف جنگ ہی تھا تو حدیبیہ کے مقام پر کیوں بظاہر دب کر صلح کر لی۔ نبی ﷺ نے ۱۳ سال مکے میں دعوت دی' ساتھیوں کو منظم کیا۔ مدینہ میں ایک مرکز کے حصول کے بعد پہلے چھ ماہ آس پاس کے قبائل سے معاہدے کئے' یہودیوں کو معاہدوں میں جکڑا' پھر جنگ کا آغاز کیا۔ یعنی پہلے اپنا مرکز مضبوط کیا۔ آج ہمارے پاس کون سا مرکز ہے؟ ہاں جو شہادت پاتا ہے اس کا اجر محفوظ ہے۔ عرب نوجوان جو گھر بار چھوڑ کر آئے تھے' افغانستان و کشمیر میں انہوں نے اپنا سب کچھ نچھاور کیا تھا' آپ کے نام نہاد آزاد مسلمان ممالک نے ان کا کیا حشر کیا؟ کوئی مدینہ ان کے لئے نہیں تھا جہاں وہ چلے جاتے۔ ہاں وہ گئے تو اپنے ملکوں کی جیلوں میں جہاں کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ بوسنیا میں قربانیاں دی گئیں اور آج انہی کروٹس کے ساتھ وہاں دوستی کی پینگیں ڈالی جا رہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ مسلمان جب بھی کسی کافر ملک کی فوج سے جنگ کرتے تھے تو ان کے ساتھ سفارتی روابط توڑنے کا اعلان کرتے' پھر ان کو اسلام کی دعوت دیتے یا جزیہ دے کر زیر ہونے کی دعوت دیتے تھے اور پھر قتال کا مرحلہ آتا تھا۔ آپ نے یہ مراحل کب طے کئے ہیں؟ اور صرف کشمیر میں کیوں' باقی ہندوستان میں آپ کو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ پاکستان کا برسراقتدار طبقہ تو انڈیا سے جنگ پر آمادہ نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جو دین کا جذبہ رکھنے والے ہیں وہ پہاڑوں کی وادیوں میں شہید ہوتے رہیں اور ہم یہاں اپنی عیش و عشرت کو کھلے عام فروغ دیتے رہیں۔ دوست' ڈاکٹر اسرار کو آپ ضرور سمجھائیں مگر سمجھنے والا دل بھی تو رکھیں۔ ہر ایک کو رد کرنے کا وطیرہ نہ اپنا لیں۔ ڈاکٹر اسرار کو آپ اپنے ہاں بلائیں یا آپ ان کے پاس جائیں' اختلاف اتنا تو نہیں کہ چمبرلین روڈ سے ماڈل ٹاؤن کی مسافت کوہ قاف کو عبور کرنے کے برابر محسوس ہو۔ اور آخر میں عرض ہے کہ ایک دین و مذہب کے علمبردار صحافی کے شایان شان نہیں کہ کسی پر ایسے بے ہودہ لطیفے چسپاں کریں جو عام اخلاق سے عاری قسم کے لوگ سنایا کرتے ہیں۔ اگر صرف مبالغہ آرائی' ہرزہ سرائی اور تشنیع و تضحیک ہی سے آپ کے رسالے کی اشاعت وابستہ ہے تو پھر تو آپ کی مجبوری ہے وگرنہ ایک مومن کی یہ شایان شان نہیں ہے کہ ایسا رویہ اختیار کرے۔

بقیہ : حدیث امروز

پر کرائے جانے کے صدارتی اعلان نے مسلم لیگ کے حوصلے خوب بلند کردیئے ہیں۔ جناب محمد نواز شریف نے حالیہ پریس کانفرنس میں صدر صاحب کے اس فیصلے کو سراہتے ہوئے کہا کہ کسی قیمت پر احتساب کے بہانے انتخابات ملتوی کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان کے برادر عزیز اور پنجاب اسمبلی کے قائد حزب اختلاف میاں شہباز شریف نے اپنے تبصرے میں کہا کہ جو کوئی یہ عذر پیش کرے کہ انتخابات کے دنوں میں روزے ہوں گے اس کی حب الوطنی پر ہمیں شک گزرے گا۔ مسلم لیگ کی جانب سے صدر صاحب کے فیصلے کی تعمیل پر اس قدر اصرار خالی از مطلب نہیں۔ اس سے مسلم لیگ کو دو فائدے واضح طور پر حاصل ہوں گے۔ اول یہ کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف ہو جانے سے پیپلزپارٹی کا جو تشخص مجروح ہوا ہے اور نتیجے میں مسلم لیگ کا تشخص جتنا بہتر ہوا ہے اس کے اثرات ابھی تازہ ہی ہوں گے اور یہ صورت حال مسلم لیگ کی کامیابی کا باعث بنے گی۔ دوسرا کثیر المقاصد فائدہ یہ ہوگا کہ مسلم لیگ احتساب سے صاف بچ جائے گی اور پھر پاور میں آکر مسلم لیگ پیپلزپارٹی کو نئے احتسابی بیلنے سے گزار کر سیاسی طور پر مفلوج کرنے کی پوزیشن میں آجائے گی۔ اس طرح جو کام مرحوم ضیاء الحق نہ کرپائے' ان کا روحانی بیٹا ہونے کا دعویدار میاں نواز شریف شاید کرپائیں۔ بین الاقوامی اکھاڑے میں روس کی شکست وریخت سے جو فائدہ امریکہ کو پہنچا ویسا ہی فائدہ ممکن ہے مسلم لیگ کے نصیب ہو جائے۔

اس بار آٹھویں ترمیم کا آرا کچھ عجیب انداز میں چلا ہے۔ جہاں اس نے قومی اسمبلی اور وفاقی حکومت کو بیک جنبش کاٹ پھینکا وہاں صوبائی اسمبلیاں اس کی زد سے محفوظ رہیں۔ جناب صدر کی یہ حکمت عملی عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ تاہم دو روز بعد سندھ اسمبلی توڑ دی گئی اور ۸ نومبر کو بلوچستان کی اسمبلی چلتی ہوئی۔ البتہ سرحد کے گورنر اور وزیراعلیٰ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا ہے جبکہ گورنر کی تو پہلے ہی اس پاداش میں چھٹی کرادی گئی تھی۔ ادھر پنجاب کا معاملہ خیر سگالی کی تاویلوں میں تاحال اٹکا ہوا ہے۔ صاف شفاف' منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے وعدے کی تکمیل کے لئے کل ۱۳ ہفتے کی مہلت دستیاب تھی جس میں سے ایک ہفتہ تو گذر ہی چکا ہے' دیکھیں نگران حکومت کیا حکمت عملی اپناتی ہے جس سے آئینی قوانین پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جاسکے۔ صاف ستھرے انتخابات کا انعقاد جہاں نہایت اچھی خواہش ہے وہاں اس پر عمل اتنا ہی کٹھن مسئلہ ہے' اس لئے کہ صحیح کام کرنے کی عادت قوم کے تانے بانے ہی میں نہیں رہی۔ ہمارے ہاں انتخابات کا سسٹم آڑھت کی بنا پر قائم ہے' خواہ آڑھت گروہی بنیادوں پر ہو' جماعتی نظم کے تحت ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے۔ ووٹوں کی خرید و فروخت' ان کا لین دین اور امیدواروں کی مرضی کے مطابق ڈالے جانے کا خفیہ کاروبار اتنا مربوط ہے کہ اس پر قابو پاسکنا سردست ناممکن نظر آتا ہے۔ افراد کی سوچ میں مثبت تبدیلی آئے بغیر زبانی مصنوعی اصلاحات سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ تب تک تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہے گی اور ہر انتخاب کے دو اڑھائی سال بعد منتخب حکومت کا منہ کالا کرتے ہوئے اسے برطرف کیا جاتا رہے گا۔OO

بقیہ : دین و دانش

نہیں کرتے۔ تاکہ ان کے پہلوؤں میں دل دھڑکنے لگیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں کہ جو سینوں میں ہیں"۔ (حج : ۴۶)

قرآن سمجھنے کیلئے پڑھئے۔ متعدد مقامات پر تاریخی حوادث کو پیش کر کے تنبیہہ کی گئی ہے کہ دیکھ لو ان کا حشر جو دین سے انحراف کرتے تھے۔

ان قرآنی آیات سے اسی مفہوم پر روشنی پڑتی ہے کہ قرآنی نقطہ نظر سے تاریخ کا ایک مستقل اور مخصوص فلسفہ ہے اور دنیا کے دیگر علوم و فنون کی مانند تاریخ کے بھی کچھ اصول وضوابط' قواعد اور قوانین ہیں۔ قرآن دانی سے مزید یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا میں پیش آنے والے واقعات و حوادث بغیر کسی اصول' ضابطہ' محرک اور داعی کے خود بخود وجود میں نہیں آتے۔ ایک عام انسان تاریخی واقعات و حوادث کو یا تو اتفاقات تصور کرتا ہے یا انہیں قضا و قدر کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

قرآن ان تمام تصورات و خیالات کی سختی سے تردید کرتا ہے' وہ پیش آنے والے کسی بھی حادثہ یا واقعہ کو بلا سبب اور ایک امر اتفاقی تصور نہیں کرتا۔ اور نہ اسے قدرت الٰہی کا جبر قرار دیتا ہے بلکہ اس کے برخلاف وہ عقل انسانی کو اس حقیقت سے روشناس کرانا چاہتا ہے کہ تاریخ کی دنیا میں کچھ اصول وضوابط ہیں اور ان کے تحت سب عمل اور ردعمل معرض وجود میں آتے ہیں۔

انسان اپنی سرنوشت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں اگر لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بند آنکھیں کھول کر تاریخ کے تمام اصول وضوابط اور قواعد و قوانین کو ایک ایک کر کے پہچاننے کی کوشش کرے تاکہ ان کی مہار خود اس کے ہاتھ رہے۔ تاریخ کو عملی زاویئے سے سمجھانے میں اولین تحقیق نزول قرآن کے آٹھ صدیوں کے بعد ابن خلدون نے کی تھی۔ جس نے باقاعدہ طور پر تاریخ کے گہرے مطالعہ اور اس کے اصول وضوابط کے انکشاف کی مہم کا آغاز کیا۔ اس کے چار صدیوں بعد یورپی دماغ اپنے ہاں نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی ایام میں اس مسئلے کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اس فکر کو عملی شکل دینا چاہی کیونکہ اس عرصے میں مسلمان اس کی طرف سے غافل ہوگئے تھے اور اس کے مطالب و مفاہیم کی گہرائیوں میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ مغربی اذہان نے اس مسئلہ کو مورد بحث قرار دیا۔ بہرحال یہ تمام انسانی کوششیں قرآن کریم کی اس ابتدائی آگاہ سازی کا ہی ایک سلسلہ ہیں۔ چنانچہ اس کی عظمت وانفرادیت اب بھی اپنی جگہ محفوظ و مستحکم ہے اور یہ سرا اسکے سر سے کبھی علیحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بشری علوم و معارف کی دنیا میں اس فکر کو سب سے پہلے قرآن نے مورد بحث بنایا اور سب سے پہلے اسی نے ذہن انسانی کو فلسفہ تاریخ اور اس کے اصول وضوابط سے آشنائی کی طرف متوجہ کیا اور اس کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا۔

(بشکریہ : اردو نامہ)

بقیہ : تاثرات

کیک کاٹنے کے لئے بھی کئی مواقع ہیں۔ بیگم صاحبہ سے زیادہ اس بات کو کون جانتا ہوگا کہ ان کے ارد گرد کیک کھانے والے جیالوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور کم از کم یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کا ان کے والد اور اب وہ خود بار بار اعادہ کر رہی ہیں --- اور انہی پر موقوف نہیں یہ غلطی گو ہر حکمران سے سرزد ہوتی ہے سوائے ان کے جن کی اللہ نے رہنمائی کی ہو اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے آزمائش کے اس پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

جماعت اسلامی کی حالیہ تحریک نئی سوچ کی آئینہ دار ہے

قاضی حسین احمد نظام کو بدلنے کا ٹارگٹ دیں !

سلیمان طاہر

بلاشبہ یہ بات تو واضح ہے کہ جماعت اسلامی اپنے دستوری نصب العین کے مطابق احیائے اسلام کی ایک تحریک ہے۔ جماعت کے دستور میں کہا گیا ہے کہ جماعت' رضائے الٰہی کی خاطر "اقامت دین" کی جدوجہد کرے گی۔ جماعت کے قیام کے ابتدائی سالوں میں یہ نصب العین پوری طرح سامنے رکھا گیا' اس کے لئے تطہیر افکار تنظیم و تربیت اور اصلاح معاشرہ کے لئے شب و روز جدوجہد کی گئی۔ ابھی یہ کام معاشرے میں متعارف ہی نہیں ہوا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی عارضی کامیابی کو دیکھتے ہوئے یہ فرض کر لیا گیا کہ عوام جماعت اسلامی کے اقامت دین کے نصب العین کے لئے بھی اس طرح رائے کا اظہار اس طرح کریں گے جس طرح انہوں نے تحریک پاکستان کے لئے کیا تھا۔ دراصل یہ سرسری اور سطحی جائزہ تھا جو کلی طور پر غلط ثابت ہوا۔ تحریک کے بانی سید مودودی مرحوم نے اپنے پروگرام کے آخری جز یعنی "انقلاب قیادت" کو اولین حیثیت دینے کی کوشش کی اور پاکستان کے پہلے صوبائی انتخابات میں بھرپور شرکت کرنے کا اعلان کیا مگر ان انتخابات میں جماعت اسلامی کی جو صورتحال سامنے آئی وہ اپنے موقف پر نظرثانی کے لئے کافی تھی لیکن اس نے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی بجائے غلط فیصلہ پر قائم رہنے کی روایت قائم کی۔

چنانچہ برصغیر میں قائم کردہ ایک اسلامی تحریک اور اقامت دین کا نصب العین رکھنے والی ایک تنظیم دیکھتے ہی دیکھتے ایک "مسلم سیاسی پارٹی" میں تبدیل ہوگئی۔ گزشتہ تین چار دہائیوں میں ملک کی سیاسی تاریخ میں جو کچھ ہوتا رہا ہے' فوجی حکمرانوں کا دور ہو یا مغربی جمہوریت کے فریم ورک میں سیکولر سیاستدانوں کے نام نہاد انتخابات کے ذریعہ حکمرانی کا دور' اس میں برابر جماعت اسلامی بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک کار رہی ہے۔ جماعت اسلامی نے ہر دور میں سیکولر سیاستدانوں سے انتخابی معاہدے بھی کئے ہیں مشترکہ انتخابی جدوجہد بھی کی ہے' جزوی طور پر بعض حکمرانوں کے ساتھ تعاون بھی کیا ہے۔ چہروں کی تبدیلی کے لئے بھرپور تحریکوں میں بھی حصہ لیا ہے۔ ایک سیاسی پارٹی اس ملک میں جو کام کر سکتی ہے وہ سب کچھ جماعت نے اب تک کیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد دستوری جدوجہد کے مراحل سے لے کر آج بے نظیر حکومت کے گرانے کی کوشش تک' جماعت اسلامی نے سیاست کے خار دار راستوں اور پر پیچ وادیوں سے گزرنے کے کئی تجربات کر لئے ہیں۔ ان تجربات کی روشنی میں جماعت اسلامی کی نئی قیادت میں نئے راستوں کی تلاش اور نئی پالیسیوں پر گامزن ہونے کے لئے ایک نئی سوچ پیدا ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں قاضی حسین احمد کے دور امارت میں' جماعت اسلامی نے پرانی پالیسیوں پر شعوری طور پر نظرثانی کی ہے اور کچھ نئے فیصلے کر لئے ہیں' جن کی بناء پر جماعت کے کارکنوں میں نیا حوصلہ اور نیا جذبہ بیدار ہو چکا ہے اور وہ کچھ کرنے کے لئے میدان عمل میں آنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جس تنظیم یا جس گروہ کا کوئی بلند نصب العین اور وسیع ٹارگٹ ہوگا تو اس کی جدوجہد بھی اسی معیار کے مطابق ہوگی۔ ان افراد کے حوصلے' جذبے اور فکری اٹھان بھی اس درجہ کی ہوگی۔ اگر کوئی تنظیم "سیاسی پارٹی" کی حد تک ہوگی' اسمبلی کی چند سیٹیں حاصل کرنے یا بعض پارٹیوں سے سیاسی اتحاد کر کے کسی حکومت کی تبدیلی اگر ٹارگٹ ہوگا تو یہ مقصد حاصل کرنے پر وہ مطمئن ہو جائیں گے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو ٹارگٹ دیا ہے اور حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ دین کا غلبہ ہونے تک اپنی جدوجہد جاری رکھو۔ یعنی باطل قوتوں کے خلاف قتال کرتے رہو یہاں تک کہ کفر کا سیاسی اقتدار نہ رہے اور پوری دنیا پر صرف اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہو جائے۔ یہ اتنا عظیم الشان نصب العین اور اعلیٰ ترین مقصد حیات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد کوئی مسلمان تھک ہار کر بیٹھ نہیں سکتا۔ ہر مسلمان جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر پوری عمر دنیا بھر کی باطل قوتوں کے خلاف صف آراء رہے گا۔ کبھی اس کے جذبہ اور حوصلے میں کمی نہیں آئے گی۔ ہر روز وہ نئی آن اور نئی شان سے جلوہ گر ہوگا۔

جماعت اسلامی بنیادی طور پر اپنے دستور کی بناء پر اس بات کی پابند ہے کہ وہ صرف اقامت دین کی جدوجہد پر قائم رہے۔ اس کے سامنے صرف معاشرے کی تطہیر' اصلاح اور ملک سے اس ظالمانہ' فرسودہ اور طبقاتی نظام کے خاتمہ کا کام ہو۔ اس سیاسی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اسلام کے مشاورتی اور عادلانہ نظام کا قیام ہی دراصل "اقامت دین" ہے۔ جماعت اسلامی اب طے کر دے کہ وہ موجودہ سیاسی نظام کا قطعی طور پر حصہ نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اس کو مستحکم کرنے میں ذرہ برابر بھی تعاون کرے گی۔

جماعت اسلامی کو اب تک کے تجربات سے یہ بات تو سمجھ میں آچکی ہوگی کہ موجودہ سیاسی نظام میں ایک دینی تحریک کا الیکشن کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنا محال ہی نہیں ناممکن ہے پھر الیکشن کی کامیابی اگر بفرض محال ہو بھی جائے تو' جو ادارے اس سیاسی نظام نے مستحکم کر رکھے ہیں وہ کسی طور پر بھی کوئی اصولی اور اسلامی تبدیلی گوارا نہیں کریں گے۔ وہ تو صرف یہی چاہیں گے کہ آپ کامیاب ہو کر اس سسٹم کو ہی چلائیں اور اس سیاسی نظام کے خادم ہو کر کام کریں' اس لئے ضروری ہے کہ ایک عوامی اسلامی تحریک کے ذریعہ ایک بھرپور انقلاب لایا جائے۔ اس بھرپور انقلاب کے لئے اگر کوئی مخلص افراد اس ملک میں ہو سکتے ہیں تو یقینی طور پر پہلی نظر جماعت اسلامی کے مخلص افراد پر پڑتی ہے کہ وہ اس راہ میں ہر قسم کی قربانی دے سکتے ہیں اگر آج جماعت اسلامی نے انقلابی راہ اختیار کر لی اور موجودہ سیاسی نظام سے اپنا دامن چھڑا کر نظام کی تبدیلی کو اپنا ٹارگٹ مقرر کر لیا تو

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پاکستان یا امریکہ؟

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد کی ایک فکر انگیز نظم جس میں امریکہ میں مقیم احباب کے لئے غور و فکر کا وافر سامان موجود ہے

ہر دم اسی خیال میں دھنتے ہیں سر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے جائیں کدھر کو ہم

دنیا وہاں ' خراب' بری عاقبت یہاں غربت وہاں پہ عام تو پیسے کی لت یہاں
ہے گھر کا انتظام وہاں نوکروں کے سر نوکر بغیر کام میں بنتی ہے گت یہاں
پائیں کہاں مراد کے شام و سحر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے ' جائیں کدھر کو ہم

مذہب کا کچھ خیال نہ شرم و حیا ادھر بچوں کی پرورش کو ہے گندی فضاء ادھر
سو سال بس کے بھی یہاں رہنا ہے اجنبی کچھ دن کے عیش کے سوا رکھا ہے کیا ادھر
ترسیں گے ایک روز دعا کے اثر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے ' جائیں کدھر کو ہم

اطفال پل رہے ہیں جو سنگین موم میں یہ بھی کریں گے "رومنوں کی طرح روم میں"
ان کا قصور کیا' یہی دستور ہے یہاں ڈالیں گے والدین کو بڈھوں کے ہوم میں
روئیں گے کر کے یاد کبھی اپنے گھر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے' جائیں کدھر کو ہم

کالج میں داخلے کی یہ ترکیب ہے نئی رشوت چلے گی یا کوئی افسر سفارشی
پستول چل رہے ہیں کلاسوں میں آج کل اس حال میں بتایئے سیکھے گا کیا کوئی
بھرتی کرا رہے ہیں جو لخت جگر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے' جائیں کدھر کو ہم

سوچو ' کہ اب وہاں پہچانتا ہے کون ہم بھی وہیں کے لوگ ہیں یہ مانتا ہے کون
ہم کو وہاں سے آئے کئی سال ہو گئے ہر شے بدل چکی ہے ہمیں جانتا ہے کون
لگنے لگے ہیں غیر خود اپنی نظر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے' جائیں کدھر کو ہم

جائیں گے کس مقام پہ واپس اگر گئے اپنے رفیق کار تو سارے بکھر گئے
پیارے پرانے شہر میں وہ بات اب کہاں وہ جن کو ہم سے پیار تھا کب کے گزر گئے
تڑپیں گے' تلملائیں گے' ترسیں گے گھر کو ہم
دونوں طرف عذاب ہے' جائیں کدھر کو ہم